اور جرمن قوم کو شاندار مستقبل کا یقین دلا کر اپنا اقتدار قائم کرلیا، اور ملک کو فوجی بنانے کے بعد کھل کر میدان میں آگیا، اس وقت سب کی آنکھیں کھلیں، لیکن اب ہٹلر کی قوت اتنی مضبوط ہو چکی تھی کہ اسکا مقابلہ آسان نہ تھا، اس نازک وقت میں صرف برطانیہ دنیا کی آزادی اور موجودہ تہذیب کو اس وحشیانہ بربریت سے بچا سکتی ہے، لیکن اس کو صرف زبان سے نہیں، بلکہ اپنے محکوم ملکوں کے ساتھ عملاً حریت نوازی کا ثبوت دینا چاہئے، یہ کتاب غالباً روس پر جرمنی کے حملہ سے پہلے لکھی گئی ہے، اب ان حالات میں بہت کچھ تبدیلی ہو گئی ہے،

واردات از پنڈت دتاتریہ کیفی دہلوی تقطیع بڑی ضخامت ۵۱۲ صفحے کاغذ کتابت و طباعت بہتر، قیمت مجلد ے، میسرز رام لال سوری اینڈ سنز انارکلی لاہور،

مذکورۂ بالا کتاب پنڈت دتاتریہ کیفی دہلوی کے کلام کا مجموعہ ہے، اردو شاعری اور اردو زبان میں پنڈت جی کا پایہ مسلم ہے، ان کی مشق سخن پر نصف صدی سے زیادہ گذر چکی ہے، جس کی مثالیں شعرا میں کم ملیں گی، پنڈت جی ان شعرا میں ہیں جنھوں نے قدامت کے باوجود اردو شاعری کی تنگ دامانی کا احساس کیا اور اسکو تغزل کے قدیم تنگ کوچہ سے نکال کر ایک وسیع شاہراہ پر لانے کی کوشش کی جس کا ثبوت ان کا یہ کلیات ہے، چنانچہ اس ضخیم مجموعہ میں مختلف کیفیات و واردات، واقعات و خیالات اور سیاسی و قومی ادبی اور دوسری مختلف موضوعوں پر ڈیڑھ سو نظمیں ہیں، ان میں غزلوں کا حصہ بہت کم ہے، مصنف کا رجحان واقعات و حقائق کی جانب زیادہ ہے، چنانچہ غزلوں میں بھی عموماً تخیل اور تغزل کی رنگینیوں کی بجائے واقعیت زیادہ نمایاں ہے، اسلئے اس مجموعہ میں تغزل سے ذوق رکھنے والوں کی دلچسپی کا سامان بہت کم ہے، لیکن اور اصناف سخن کے نمونے بکثرت ہیں اور ابتدائی مشق سے لیکر اب تک کا کلام شامل ہے، اسمیں ہمواری اور یکسانیت کا ہونا دشوار ہے، اور کہنہ مشقی کیساتھ نو مشقی کے نمونے بھی موجود ہیں بعض بعض نظمیں پنڈت جی کی استادی کا کامل نمونہ ہیں، کلام کی ترتیب دیکھنے کے اعتبار سے رکھی گئی ہیں اس سے شاعری کے تدریجی ارتقا اور تغیرات کا اندازہ ہو جاتا ہے، پنڈت جی ان باقیات میں ہیں جن سے ہندو مسلمانوں کی قدیم یکجہتی اور مشترکہ تہذیب کی یاد تازہ ہے، جس کی جھلک ان کے کلام میں بھی جابجا نظر آتی ہے، "م"

جلد ۵۰ ماہ ذی قعدہ ۱۳۶۱ھ مطابق ماہ دسمبر ۱۹۴۲ء عدد ۶

مضامین

شذرات

پنجاب کے نامور عالم و وکیل و مجاہد سیاسیات مولانا عبدالقادر صاحب قصوری کی وفات کی خبر سے بڑا صدمہ ہوا، قصور ضلع لاہور اُن کا وطن تھا اور وہیں وکالت کرتے تھے، اور اچھے نامور وکیل تھے، عربی کے عالم، دینیات کے فاضل اور انگریزی سے واقف تھے، مولانا ابوالکلام کے الہلال والی تحریک سے اُن کو ایسی دلچسپی تھی کہ اس کے لئے انھوں نے بہت کچھ نثار کیا، اپنے ایک صاحبزادہ کو ایک طرف عالم بنایا اور دوسری طرف کیمبرج کا گریجوایٹ، اسی طرح اپنے دوسرے بیٹے کو بھی عربی و انگریزی کی تعلیم دلائی، اور دونوں کو مع اپنی زندگی کے بہت سے سرمایہ کے دعوت و تبلیغِ اسلام کے کاموں کی نذر کر دیا جس کا سلسلہ ایک زمانہ میں بمبئی سے لے کر مدراس تک جال کی طرح پھیلا تھا، خلافت کی تحریک میں کامیاب وکالت کو خیرباد کہہ کر قومی و سیاسی تحریکوں میں شامل ہوگئے اور اخیر تک اپنے عہد پر قائم رہے،

مرحوم مسلکاً اہلِ حدیث تھے، نہایت دیندار، متواضع، ملنسار، پابندِ وضع، علامہ ابن تیمیہ اور حافظ ابن قیم کی تصانیف کے بڑے شائق تھے، اور ان ہی کی تحقیقات پر ان کا عمل تھا، خلافت، حجاز اور کانگریس میں بیش از بیش حصہ لیا، اور اس عمر میں بھی جو غالباً اسّی کے قریب ہوگی وہ اپنے جذبات کے لحاظ سے ایسے ہی جوان تھے، ادھر سیاسیات کی عملی تحریکوں سے کنارہ کش تھے،

مرحوم کو خاکسار سے گوناگوں تعلقاتِ قلبی تھے، قومیات میں ہمیشہ ساتھ رہا، خیالات میں بہت کچھ ہم آہنگی تھی، سب سے اخیر بات یہ کہ حجاز کے وفدِ خلافت میں جو ۱۹۲۴ء میں جدہ تک جا سکا تھا وہ خاکسار کے ساتھ تھے، گو وفد کی صدارت برائے نام میرے نام تھی، مگر اُن کے مشورہ کے بغیر کوئی قدم نہیں اٹھایا

جاتا تھا، جدہ کے نہایت پُرخطر موقعوں پر جب جان کا خطرہ بھی تھا وہ برابر ہمت بڑھاتے رہتے تھے، مکّا، سوڈان، جدہ اور قاہرہ میں ہر جگہ وہ ساتھ تھے، افسوس کہ اس وفد کے تین ممبروں میں دو مولانا عبدالماجد بدایونی اور مولانا عبدالقادر قصوری چل بسے، اب صرف ایک باقی ہے، معلوم نہیں وہ بھی کے دن کے لئے،

سر محمد یعقوب کی ناگہانی وفات کا سانحہ اخباروں میں آچکا ہے، مرحوم مراد آباد کے رہنے والے تھے، ان کے والد ماجد مولوی محمد اسمٰعیل صاحب وکیل شاہجہان پور نہایت نیک و متین و دیندار بزرگ تھے، ندوۃ العلماء کے رکن تھے اور سنہ ۱۹۱۰ء کی تبلیغی تحریک میں مولانا شبلی مرحوم کے ساتھ تھے، سر محمد یعقوب نے گو انگریزی تعلیم پائی تھی، مگر مذہبی ذوق ورثہ میں پایا تھا اور بڑے خوش قسمت تھے، مراد آباد کی کامیاب وکالت سے لیکر کونسل کی صدارت تک اور پھر سرکار نظام کے مشیرِ اصلاحات کے رتبہ تک انھوں نے جو ترقی کی وہ سراسر اُن کی خوش قسمتی کا نتیجہ تھی، دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کو اُس عالم میں بھی خوش قسمت بنائے، وہ بہت خوش خلق، متواضع، متحمل اور حاجتمندوں اور ضرورتمندوں کی امداد میں کشادہ دست تھے، غفرلہ اللہ تعالیٰ،

اردو زبان کے مشہور پرانے رسالہ زمانہ کے اڈیٹر دیانرائن نگم نے اسی مہینہ وفات پائی، کالج سے نکلنے کیساتھ انھوں نے بریلی میں زمانہ کو جو اردو کا ایک معمولی رسالہ تھا اپنی ادارت میں لیا اور اسکو کانپور لائے، اور اس کو اس حد تک چمکایا کہ اردو کے اچھے رسالوں میں گنا جانے لگا، بلکہ اس وقت وہ اردو کا سب سے پرانا رسالہ ہے، پریم چند آنجہانی کو وہی سب سے پہلے اسٹیج پر لائے، ان کے علاوہ اور بہت سے اچھے لکھنے والے اور کہنے والے ہندو اور مسلمان نوجوانوں نے اُن کے سایۂ قلم میں تربیت پائی، اور کہنا چاہیے کہ زمانہ صرف ان ہی کے بدولت ہندو و مسلمان اہلِ قلم کا سنگم اب تک رہا، اور اس کو دیکھ کر تسکین ہوتی تھی کہ ہندو مسلمانوں کی پرانی تہذیب کے شیدائی ہندو ابھی تک زندہ ہیں،

مدت سے جسے دورِ زماں میٹ رہا ہے

امید کہ زمانہ آیندہ بھی اپنے بانی کی یادگار میں اسکی بنائی ہوئی روش پر چلتا رہیگا تاکہ اس اختلاف آباد

ہند کی اس آندھی میں دیانرائن کا یہ دیا جلتا رہے،

ہماری زبان کے مصنفوں میں اس وقت سب سے بوڑھے مصنف غالباً مولوی عبدالرزاق صاحب کانپوری ہیں، جو البرامکہ اور نظام الملک نام دو مشہور کتابوں کے مصنف ہیں، مولانا شبلی مرحوم نے فرمانروایانِ اسلام کا سلسلہ قائم کیا تھا، ان ہی کے ساتھ ان ہی کے زیر مشورہ مولوی عبدالرزاق صاحب نے وزرائے اسلام کا سلسلہ شروع کیا تھا، جس کی پہلی کڑی البرامکہ ہے، جو آج سے چالیس سال پہلے لکھی گئی تھی، اور اس وقت بہت دلچسپی سے پڑھی گئی تھی،

لیکن اب چالیس سال میں تحقیقات میں بہت کچھ اضافہ ہوگیا ہے، اور بہت سی نئی کتابیں بھی چھپ گئی ہیں، اس لیے ضرورت تھی کہ مصنف اس پر نظر ثانی کریں، چنانچہ موصوف نے کئی سال کی محنت میں اس کو نظر ثانی کر کے چھپوایا ہے، اور ۳۰۰ نئے صفحے اور ۵ نئے باب بڑھائے ہیں، امید ہے کہ اہل شوق ہمارے سب سے بوڑھے مصنف کی اس سب سے پہلی کتاب کی پوری قدر کریں گے، غیر مجلد کی قیمت عہ اور مجلد کی سے رہی، پتہ:- مولوی عبدالرزاق صاحب مہتمم صیغۂ تاریخ، بھوپال،

آجکل عریاں نویسی کا نام ادب لطیف، اور مزدوروں اور غریبوں کے مرثیہ کا نام نیا ادب رکھا گیا ہے، اور کہا جا رہا ہے کہ یہ نئے انقلاب کی بنیاد بنے گا، اس نئے ادب میں ہر پرانی چیز سے بے ادبی پہلا اصول ہے، اس بنا پر مذہب سے جو ان کا سب سے پرانا سرمایہ ہے، بے ادبی ناگزیر ہے، چنانچہ ہندو نوجوانوں کی دیکھا دیکھی مسلمان نوجوانوں نے بھی تفریح طبع کی خاطر اس بے ادبی سے دل بہلانے کی طرح طرح کی صورتیں ایجاد کی ہیں، کہیں ظرافت کہیں تمسخر، کہیں شاعری کہیں سیاست اور کہیں معاشر کے مسائل میں بذلہ سنجی کی جاتی ہے، اور عموماً اس مشغلہ میں بے روزگار اہل قلم مصروف ہیں، دلی کے ایک نئے ادب کے رسالہ میں ابھی اس بے ادبی کا نیا مظاہرہ کیا گیا ہے، یہ رسالہ اس دادا کے پوتے کی ادارت میں نکلتا ہے، جو مہدی مرحوم کے بقول مذہب کے بغیر لقمہ بھی نہیں توڑتے تھے"۔

ببیں تفاوتِ رہ از کجاست تا بہ کجا

پھر کیا مسلمان اس پر صرف افسوس کر کے رہ جائیں،

مقالات

مستشرق نولدیکی اور قرآن

از

مولوی محمد اویس صاحب ندوی نگرامی رفیق دار المصنفین

"یہ پورا مضمون حضرت الاستاذ علامہ سید سلیمان ندوی مدظلہ کے افادات کا نتیجہ ہے، فارسٹر کے جغرافیہ کی طرف مخدومی جناب مولانا عبدالماجد صاحب مدظلہ نے رہنمائی فرمائی ہے۔"

"مستشرقین یورپ" جن کے فضل وکمال کا سکہ دلوں پر بیٹھا ہوا، اور جن کی تلاش وتحقیق کا رعب ناخون پر چھایا ہوا ہے، وہ اسلام کی عداوت میں کبھی ایسی عامیانہ اور جاہلانہ روش اختیار کرتے ہیں جس پر سطحی معلومات والا انسان بھی ہنسے بغیر نہیں رہ سکتا، چنانچہ مشہور جرمن محقق ومستشرق نولدیکی جس کے علمی افلاس کا یہ عالم ہے کہ وہ قرآن پاک کو (نعوذ باللہ) تصنیف محمدی بتلاتا ہے، انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا میں[1] قرآن مجید پر ریویو کرتے ہوئے حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق لکھتا ہے، کہ عرب سے تو انہیں واقفیت تھی لیکن بیرونِ عرب کا جہاں ذکر کرتے ہیں، وہاں ان کی بے خبری (لفظ کا اصلی ترجمہ جہالت ہے) کی پردہ دری ہو جاتی ہے، چنانچہ مصر کی زرخیزی کو جہاں کہ بارش تقریباً نہیں دیکھی جاتی ہے، وہ دریائے نیل کے سیلاب کے بجائے بارش پر منحصر رکھتے ہیں،

واقعہ کی اصل صورت یہ ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام جب قید خانہ میں تھے، تو مصر کے بادشاہ نے

[1] جلد ۱۵ ص ۹۰۰ طبع یازدہم کیمبرج یونیورسٹی،

خواب دیکھا کہ سات موٹی گائین ہین، اور سات دبلی، دبلی گائین موٹی کو نگل گئین، اور سات شاداب بالین ہین اور سات خشک، خشک بالون نے سبز کو کھالیا، شاہ مصر کے خواب کی حضرت یوسف علیہ السلام نے تعبیر دی، جس کو قرآن پاک نے ان الفاظ سے بیان کیا ہے،

قَالَ تَزْرَعُوْنَ سَبْعَ سِنِيْنَ دَأَبًا فَمَا	آپ نے فرمایا کہ تم سات سال متواتر غلہ بونا
حَصَدْتُّمْ فَذَرُوْهُ فِيْ سُنْۢبُلِهٖٓ اِلَّا	پھر جو فصل کاٹو اس کو بالون مین رہنے دینا،
قَلِيْلًا مِّمَّا تَاْكُلُوْنَ ثُمَّ يَاْتِيْ مِنْ	ہان مگر تھوڑا سا جو تمھارے کام مین آئے،
بَعْدِ ذٰلِكَ سَبْعٌ شِدَادٌ يَّاْكُلْنَ مَا	پھر اس کے بعد سات برس اور ایسے سخت
قَدَّمْتُمْ لَهُنَّ اِلَّا قَلِيْلًا مِّمَّا تُحْصِنُوْنَ	آئین گے، جو کہ اس ذخیرہ کو کھا جائین گے،
ثُمَّ يَاْتِيْ مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ عَامٌ فِيْهِ	جس کو تم نے ان برسون کے واسطے جمع کیا
يُغَاثُ النَّاسُ وَفِيْهِ يَعْصِرُوْنَ،	ہے، مگر تھوڑا سا جو تم رکھ چھوڑوگے، پھر
(یوسف ۷)	اس کے بعد ایک برس ایسا آئے گا، جس مین
	لوگون کے لئے خوب بارش ہوگی، (یا فریادرسی
	ہوگی) اور اس مین شیرہ بھی نچوڑین گے،

اس تعبیر مین ایک لفظ (یغاث) ہے، عموماً جس کا مفہوم یہ لیا گیا ہے کہ بارش ہوگی، جرمن مستشرق کے نزدیک مصر کے سلسلہ مین بارش کا ذکر نعوذ باللہ صاحب قرآن کی بے خبری کی دلیل ہی!

بسوخت عقل ز حیرت کہ این چہ بوالعجبی است!

بے خبر انسان کو خدائے علیم و خبیر کے کلام پر تنقید کی جرأت؟ ذیل کی سطرون مین اس تنقید کی اصل حقیقت آشکارا کی گئی ہے!

(۱) اس سلسلہ مین پہلی بات یہ ہو کہ (یغاث) کے معنی صرف پانی برسنے کے نہین ہین، مفسرین کی ایک

جماعت کہتی ہے کہ یہ غیث (بمعنی بارش) سے مشتق نہین ہی، بلکہ اس کا مادہ غوث ہی، جس کے معنی فریادرسی کے ہین، یعنی اس قحط کے بعد ایسا سال آئے گا جس مین لوگون کی فریادرسی ہوگی، اور قحط دور ہوگا، اس قحط کے خاتمہ کا سبب بارش ہوگی، یا نیل کا سیلاب؟ اس کا یہان کوئی تذکرہ نہین ہی!

روح المعانی مین ہے[1]

ای یُصیبھم غیث ای مطر کما قال	یعنی ان کو پانی پہونچے گا، جیسا کہ ابن
ابن عبّاس ومجاھد والجمھور،	عباس، مجاہد اور جمہور نے کہا ہے، اس
فھو من غاث اللہ ثلاثی الیائی، و	وقت اس کا مادہ غیث ہوگا، اور کہا
قیل ھو من الغوث ای الفرج	گیا ہے، کہ اس کا مادہ غوث ہے، یعنی
یقال اغاثنا اللہ تعالیٰ اذا امدّنا	فریادرسی اور مصیبت کا دور کرنا کہا
برفع المکارہ حین اظلتنا فھو	جاتا ہے، اغاثنا اللہ، جب کہ خدا ہماری
رباعی واوی،	مصیبتون کو دور کرے،

بیضاوی مین ہے[2]

یمطرون فیہ من الغیث	بارش ہوگی، جب کہ مادہ غیث ہو، اور اگر
او یغاثون من القحط من	مادہ غوث ہو، تو اس کے معنی یہ ہون گے،
الغوث،	کہ قحط ان سے دور کیا جائیگا، انکی فریادرسی ہوگی،

ثعالبی کی جواہر الحسان فی تفسیر القرآن مین ہے[3]

جائز ان یکون من الغیث وھو	جائز ہے کہ غیث سے ہو، جیسا کہ ابن عباس رض
قول ابن عبّاس وجمھور المفسرین	اور جمہور مفسرین کا قول ہی، یعنی بارش ہوگی،

---

[1] روح المعانی ج ۱۲ ص ۲۲۹ [2] بیضاوی جلد اول ص ۳۹۹ [3] جواہر الحسان ج ۲ ص ۲۴۱،

اے یعطرون وجائز ان یکون — اور جائز ہے کہ غوث سے ہو، جس کے معنی

من اغاثهم الله اذا فرج عنهم — فریادرسی کے ہیں، یعنی اُن کی مشکل دور

ومنه الغوث وهو الفرج، — کی جائے گی،

(۲) اور اگر عام مفسرین کے مسلک کے مطابق بارش ہی کے معنی لئے جائیں، تو بھی فاضل مستشرق کا یہ دعوی کہ مصر میں بارش بالکل نہیں ہوتی ہے، غلط ہے، بارش کم سہی، لیکن اس کا مطلقاً انکار خلافِ واقعہ ہے،

یعقوبی کتاب البلدان میں کہتا ہے، کہ مصر میں سواحل پر کسی قدر بارش ہوتی ہے[۱]

الحضارة المصریہ[۲] میں ہے کہ یہ کہنا ہرگز صحیح نہیں ہے کہ وادی نیل بارش سے محروم ہے،

ای ہارسڈن وتی آسفورڈ اسمتھ کے جغرافیۂ عالم میں ہے[۳]

"بارش یہاں بہت ہی کم یعنی قاہرہ میں ایک انچ سالانہ اور اسکندریہ میں جو سمندر سے متصل واقع ہے، ۸/۱-۱ انچ سالانہ سے زیادہ نہیں ہوتی"

(۳) مصر کے وہ مقامات جہاں فراعنۂ مصر کا قیام تھا، ان کا بارانی ہونا تو بہرحال ثابت ہے، چنانچہ مصر کے سواحل اور قاہرہ جو ساحل دریائے نیل پر چودہ میل مربع رقبہ میں آباد ہے، وہاں بارش کا ہونا معلوم ہوچکا ہے، تاریخ سے معلوم ہوتا ہے، کہ فراعنۂ مصر کا قیام قاہرہ سے قریب ہی منف اور عین شمس میں رہا کرتا تھا، ابوالفداء کی تقویم البلدان میں ہے، کہ عین شمس کو مدینۂ فرعون کہا جاتا ہے، اور یہ قاہرہ سے نصف مرحلہ پر واقع ہے[۴]

یاقوت نے معجم البلدان میں منف کو فرعون کا شہر بتلایا ہے اور یہاں کے آثارِ قدیمہ کے سلسلہ میں لکھا ہے کہ یہیں حضرت یوسف علیہ السلام کا مکان تھا، یہیں فرعون کا قیام بھی رہا کرتا تھا، اور یہیں

[۱] کتاب البلدان ص ۲۴۰ [۲] الحضارة المصریہ ص ۸ [۳] جغرافیۂ عالم ج ۲ حصہ ۱۶۳، حیدرآباد،
[۴] تقویم البلدان ص ۱۰۸

فرعون کا عین شمس تھا، اور اس وقت فسطاط کا جو محل وقوع ہے، وہ عین شمس اور منف کے درمیان ہے[۱]

اصل یہ ہے کہ عین شمس ایک ہیکل تھا، لوگ اسکی زیارت کو آتے تھے، پھر یہاں آبادی قائم ہوگئی، اور رفتہ رفتہ اس آبادی نے شہر کی حیثیت اختیار کرلی، ورنہ یہ منف سے الگ نہیں ہے[۲]

خطط مقریزی میں ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام نے حضرت یعقوب علیہ السلام اور پورے خاندان جس میں ۳۰ مرد اور عورتیں شامل تھیں، فرما اور عین شمس کے درمیان ٹھہرایا تھا، اور یہاں کی زمین بہت شاداب ہے[۳]

اب بھی عین شمس قاہرہ کے مضافات میں موجود ہے، مسلمان اس کو عون اور یورپی لوگ ہیلیوپولس کے نام سے یاد کرتے ہیں، اب یہاں بڑے بڑے مکانات اور شاندار ہوٹل ہیں، قاضی ولی محمد صاحب اپنے سفرنامۂ مصر ۱۹۲۴ء میں لکھتے ہیں:-

کہتے ہیں کہ اس جگہ کو حضرت موسیٰ کی اقامت گاہ کا شرف حاصل ہوا تھا اور فرعون کا محل بھی یہیں کہیں تھا، اور یہیں عزیز مصر کے بنگلہ میں زلیخا رہتی تھی، اس جگہ کوئی ہیکل شمسی تھا، جہاں آفتاب پرستی ہوتی تھی[۴]

ان تفصیلات سے معلوم یہ ہوا کہ فراعنۂ مصر قاہرہ کے قریب ہی آباد تھے، اور وہاں بارش ہوتی تھی، اس لئے حضرت یوسف علیہ السلام کی تعبیر خواب میں اگر بارش کا ذکر تسلیم کیا جائے تو یہ کوئی خلاف واقعہ بات نہیں ہے،

(۴) محقق مستشرق نے مصر کی زرخیزی کو دریائے نیل پر منحصر رکھا ہے، لیکن اس پر غور نہیں کیا کہ خود دریائے نیل کا پانی بھی بارش ہی کے پانی کا نتیجہ ہے،

یعقوبی کا بیان ہے کہ مصر اور اس کے دیہاتوں کا کام نیل سے چلتا ہے، اور نیل کے پانی میں

[۱] معجم البلدان ج ۸ صفحہ ۱۸۱ [۲] مقریزی ج ۱ صفحہ ۳۱ [۳] ایضاً ج ۱ صفحہ ۳۹۱ [۴] سفرنامۂ مصر صفحہ ۱۱۴

بارش کے اس پانی سے زیادتی ہوتی ہے، جو گرمی میں برستا ہے،!

الحضارۃ المصریہ میں ہے:

"اب یہ بات بالکل واضح ہو چکی ہے، کہ نیل کا فیضان اس بارش کا نتیجہ ہے جو مارچ میں وسط افریقہ میں ہوتی ہے، جہاں کہ دریائے نیل کا منبع ہے، اور وہاں سے مصر کی طرف یہ پانی سرسبزی اور شادابی لیکر آتا ہے"[1]

عہدِ حاضر کے مشہور عالم علامہ سید رشید رضا مرحوم جن کی پوری زندگی تقریباً مصر ہی میں گذری، اپنی تفسیر[2] میں فرماتے ہیں، کہ مصر کو بارش کے پانی سے مستثنیٰ نہیں کیا جا سکتا ہے، کہا جاتا ہے کہ مصر کی زندگی بارش سے نہیں بلکہ نیل کے پانی سے ہے، حالانکہ خود نیل کا پانی بارش ہی کا ممنون ہے، نیل کا فیضان اور اسکی کمی درحقیقت ان مقامات کی بارش پر منحصر ہے، جہاں سے نیل میں پانی آتا ہے، اس ضمن میں علامہ مرحوم نے قرآن پاک کی یہ آیت نقل فرمائی ہے،

اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَسَلَکَہٗ یَنَابِیعَ	اللہ تعالیٰ نے آسمان سے پانی برسایا، پھر اسکو
فِی الاَرْضِ، (زمر ۲)	زمین کے سوتوں میں داخل کر دیتا ہے،

اس کے بعد فرمایا کہ وہ چھوٹے دریا جو نیل کے "ینابیع" ہیں، وہ بارش ہی کے پانی سے ہیں، یہاں فرعون کا وہ مقولہ بھی پیش نظر رکھنا چاہئے جس کو قرآن پاک نے نقل فرمایا ہے،

اَلَیْسَ لِیْ مُلْکُ مِصْرَ وَھٰذِہِ الْاَنْھٰرُ	اے میری قوم کیا مصر کی سلطنت میری نہیں
تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِیْ (زخرف ۵)	ہے اور یہ نہریں میری پائین میں بہ رہی ہیں'

اس سلسلہ میں قرآن پاک کی ایک دوسری آیت بھی قابلِ توجہ ہے،

قرآن مجید میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنی نشانیوں میں سے ایک نشانی یہ بھی بتائی ہے کہ ہم

---

[1] الحضارۃ المصریہ ص [2] جلد ۲ ص ۲۵

اُن مقامات پر پانی پہنچاتے ہیں جہاں بارش نہیں ہوتی ہے، یا اگر ہوتی ہے، تو اس قدر کم، کہ اس سے پورا نفع نہیں اٹھایا جا سکتا ہے، فرمایا:-

اَوَلَمْ یَرَوْا اَنَّا نَسُوْقُ الْمَآءَ اِلَی الْاَرْضِ	کیا انھوں نے اس بات پر نظر نہیں کی کہ ہم
الْجُرُزِ فَنُخْرِجُ بِہٖ زَرْعًا تَاْکُلُ مِنْہُ	خشک افتادہ زمین کی طرف پانی پہنچاتے ہیں'
اَنْعَامُھُمْ وَاَنْفُسُھُمْ اَفَلَا یُبْصِرُوْنَ	پھر اس کے ذریعہ سے کھیتی پیدا کرتے ہیں، جس سے
(سجدہ ۳)	انکے مواشی اور وہ خود بھی کھاتے ہیں تو کیا

مفسر ابن جریر نے حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے "ارض جرز" کے یہ معنی نقل کئے ہیں،

قَالَ الْجُرُزُ الَّتِیْ لَا تُمْطَرُ اِلَّا مَطَرًا	جرز وہ ہے، جہاں ناکافی بارش ہوتی ہو
لَا یُغْنِیْ عَنْھَا شَیْئًا اِلَّا مَا یَاْتِیْھَا	سوا اس کے کہ جو پانی سیلاب سے
مِنَ السُّیُوْلِ[1]	پہونچ جائے،

حافظ سیوطی حسن المحاضرہ[2] میں کہتے ہیں، کہ ایک جماعت کے نزدیک ارض جرز سے مراد مصر کی سرزمین ہے، حافظ ابن کثیر اپنی تفسیر[3] میں فرماتے ہیں، کہ مفسرین عموماً "ارض جرز" کے لئے مثال میں مصر کا نام پیش کر دیتے ہیں، لیکن اس کا یہ مطلب نہیں ہے، کہ اس سے مراد محض "مصر" ہے، بلکہ ارض جرز میں سے مصر بھی ہے، "مصر کا "ارض جرز" ہونا قطعی ہے، وہاں کی زمین کی حالت یہ ہے، کہ اگر بارش حسب ضرورت ہو تو مکانات منہدم ہو جائیں، اس لئے اللہ تعالیٰ وہاں بارش کے بجائے اس پانی کو لیجاتے ہیں، جو بلادِ حبشہ میں برستا ہے،!

اسی مفہوم کو شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ نے اپنے رسالہ عرشیہ[4] اور منہاج السنہ میں بیان کیا، فرا[5]

---

[1] تفسیر ابن جریر ج ۱ ص ۶۲ [2] ج ۱ ص ۲ [3] جلد ۳ ص ۴۶۴ [4] ص ۱۲ [5] جلد ۳ ص ۱۱

منہاج السنۃ مین ابن تیمیہ کے الفاظ یہ ہین :۔

فالارض الجرز لا تمطر مایکفیہا کارض	ارض جرز مین آتنا پانی نہین برستا ہے، جو اس
مصر لو امطرت مطر المعتاد لہ	کے لئے کافی ہو جیسے مصر کی زمین، کہ اگر
یکفہا فانہا ارض ابلیز وان امطرت	معمولی بارش ہو تو وہ اس کو کافی نہین
مطر کثیرا مثل مطر شہر (آذار)	اس لئے کہ مصر کی زمین کیچڑ والی ہے، اور
خوبت المساکن فکان من حکمۃ	اگر زیادہ پانی برسے (مثلاً جتنی بارش کہ
الباری ورحمتہ ان امطر ارضا	مارچ مین ہوتی ہے) تو مکانات برباد جائین
بعیدۃ ثم ساق ذالک الماء	پس خدا کی حکمت اور رحمت ہے، کہ ایک
الی ارض مصر فہذہ	دور مقام پر پانی برساتا ہے، پھر اس پانی
الآیۃ یستدل بہا علی علم	کو مصر لیجاتا ہے، اس آیت سے خدا کے علم،
الخالق وقدرتہ ومشیئتہ	اس کی قدرت، اس کی مشیت اور اس
وحکمتہ،	کی حکمت پر استدلال کیا جاسکتا ہے !

کس قدر دلچسپ بات ہو کہ جو چیز نولدیکی کے نزدیک نعوذ باللہ صاحب قرآن کی بے خبری پر دلالت کرتی ہے، شیخ الاسلام ابن تیمیہ اسی سے خدا کے علم، اسکی قدرت، مشیت اور اسکی حکمت پر استدلال کرتے ہین،

یہ امر بھی خاص طور سے لائق توجہ ہے، کہ یہ قحط مصر ہی مین نہ تھا، بلکہ اس کے اثرات دور دور تک تھے، برادران یوسف علیہ السلام کا غلہ کے لئے مصر آنا خود قرآن مین مذکور ہے، تورات مین بھی انکا کنعان سے مصر تک غلہ کے لئے آنا مصرح موجود ہے،[1] نہ صرف کنعان بلکہ اور بہت سی ملکون کے لوگ غلہ

[1] پیدائش باب ۴۴،

کے لئے مصر آتے تھے،[1]

عرب کے جنوب علاقہ یمن تک اس کے اثرات تاریخ سے ثابت ہین، چنانچہ ریورنڈ فارسٹر کی انگریزی "تاریخی جغرافیہ عرب" مین ابن ہشام[2] کے حوالہ سے درج ہے، کہ ملک یمن مین سیلاب کے اثر سے ایک قبر کھل گئی، جس مین ایک عورت کی لاش نظر آئی، اس کے گلے مین موتیون کے سات گلوبند، ہاتھون اور پیرون مین بازوبند کڑے اور سات سات چھڑے بھی تھے، ہر ہر انگلی مین نگینہ کی بیش قیمت انگوٹھی تھی، اور سرہانے زر و مال سے لبریز ایک صندوقچہ تھا، قبر مین ایک کتبہ بھی ملا جس مین پہلے فقرہ کے بعد پانچ اشعار درج ہین، اسکی نقل حسب ذیل ہے،

باسمک اللّٰھم الہ حمیر	ترے نام سے اے خدا، اے خدائے حمیر،
انا تاجہ بنت ذی شفر بعثت مایرنا الی یوسف	مین تاجہ بنت ذی شفر ہون، مین نے اپنے شاہی دارو غہ
(۱) فابطأ علینا فبعثت لاذتی،	کو یوسف کے پاس بھیجا، پھر جب واپسی مین دیر ہوئی
	تو مین نے اپنی خواص کو بھیجا،
بمد من ورق لتاتینی بمد من طحین	چاندی کی ایک مقدار دیکر کہ اس کے عوض مین
(۲) فلم تجدہ فبعثت بمد من ذہب	آٹے کی ایک مقدار لائے پھر جب وہ نہ مل سکا تو
	پھر مین نے سونا دے کر بھیجا،
فلم تجدہ فبعثت بمد من بحری	جب اس سے بھی نہ مل سکا تو پھر مین نے موتی
(۳) فلم تجدہ فامرت بہ فطحن	بھیجے، اور جب اس سے بھی نہ مل سکا، تو مین نے
	ان موتیون کو پسوا ڈالا،
(۴) فلم انتفع بہ فاقتفلت	وہ کسی کام نہ آسکے سو اب مین یہان دفن

[1] پیدائش باب ۴۲ [2] ج ۲ ص ۱۰۳

فمن سمع فلیرحمنی — ہوتی ہون، جو کوئی میری خبر پائے، اوسے چاہیے کہ میرے اوپر ترس کھائے،

وآیۃ امرأۃ لبست حلیاً من حلیتی — اور اگر کوئی عورت میرے ان زیورون

فلا ماتت الا میتتی (۵) — پر طمع کرے اور انھین پہننا چاہے تو اوس کو میری ہی جیسی موت نصیب ہو،

اس کتبہ سے معلوم ہوا کہ یمن تک اس قحط کے اثرات یقینی تھے، تورات تو صراحۃً اسکی عالمگیری کی قائل ہے،

(۵۳) اور سات برس ارزانی کے جو زمین مصر مین تھے، آخر ہوئے، اور گرانی کے سات برس جیسا کہ یوسف نے کہا تھا، آنے شروع ہوئے، (۵۴) اور سب زمین مین گرانی ہوئی، پر ہنوز مصر کی ساری زمین مین روٹی تھی، (۵۵) پر جب ساری زمین مصر بھوک سے ہلاک ہونے لگی، تو خلق روٹی کے لئے فرعون کے آگے چلائی، فرعون نے سب مصریون کو کہا کہ یوسف کنے جاؤ، وہ جو تمھین کہے سو کرو، (۵۶) اور تمام روے زمین پر کال تھا، اور یوسف نے ذخیرے کے کھتے کھول کے مصریون کے ہاتھ بیچے اور مصر کی زمین کال بہت بڑھا، (۵۷) اور ساری ملک مصر مین یوسف کنے مول لینے آئے، کیونکہ سب ملکوں مین سخت کال تھا"[1]

ان حوالہ جات سے بیرونِ مصر قحط کے اثرات کا جب ثبوت موجود ہے، تو مسئلہ اور واضح ہو جاتا ہے اسلئے کہ اگر مصر کو بارش سے محروم تسلیم بھی کر لیا جائے تو سارا عالم تو بارش سے محروم نہ تھا، اور قرآن پاک مین (یغاث) کے ساتھ (الناس لوگ) کا لفظ ہے، صرف اہلِ مصر کی تخصیص نہین ہے، !

(۷) اس موقع پر نفس آیت پر بھی ایک نظر ڈالنا چاہیئے، اور قرآن پر تنقید کے بجائے اس کے

---

[1] پیدائش باب ۴۱،

اعجاز و بلاغت اور اسکی صداقت کا اعتراف کرنا چاہیے،

تورات کی منقولہ بالا آیات سے معلوم ہو چکا ہے، کہ جب سارے عالم مین لوگ بھوک سے پریشان تھے، اس وقت مصر مین خوشحالی تھی، آیت یہ ہی:-

"اور سب زمین مین گرانی ہوئی، پر ہنوز مصر کی ساری زمین مین روٹی تھی"

یہ خوشحالی درحقیقت حضرت یوسف علیہ السلام کی تعبیر خواب کے طفیل مین تھی، جس مین آپ نے ارشاد فرمایا تھا،

تَزْرَعُوْنَ سَبْعَ سِنِیْنَ دَاَبًا فَمَا حَصَدْتُّم — تم سات سال متواتر غلہ بونا پھر جو فصل

فَذَرُوْہُ فِیْ سُنْبُلِہٖٓ اِلَّا قَلِیْلًا مِّمَّا — کاٹو اس کو بالون مین رہنے دینا، مگر تھوڑا سا

تَاْکُلُوْنَ (یوسف) — جو تمھارے کھانے میں آئے،

حضرت یوسف علیہ السلام کی اس تنبیہ کے باعث اہلِ مصر کو کسی قدر غلہ مل گیا تھا، اور دوسرے ملکون والے چونکہ بالکل بے خبر تھے، اس لئے وہ کوئی انتظام نہ کر سکے،

اب قابلِ غور امر یہ ہے، کہ اس پوری آیت مین (یغاث = فریادرسی ہوگی = یا بارش ہوگی) اور یعصرون شیرہ نچوڑین گے) کے سوا جتنے صیغے ہین، وہ سب حاضر کے ہین، (تزرعون = تم غلہ بونا، حصدتم = تم فصل کاٹو، تاکلون = تم کھاؤ، تحصنون = تم جمع کروگے) گویا ان مخاطب صیغون کا تعلق صرف اہلِ مصر سے ہے، اور اسی لئے وہ نسبۃً نفع مین رہے، اور ان کے بعد جو صیغے ہین، یعنی (یغاث) اور (یعصرون) وہ غائب کے صیغے ہین،

یہ التفات[1] بے سبب نہین ہے، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ بارش یا فریادرسی کا تعلق چونکہ دوسرے

---

[1] التفات علم معانی و بیان کی ایک اصطلاح ہے، جس کا مفہوم یہ ہی کہ ایک ہی ضمن کی گفتگو میں صیغون اور طرز خطاب کا تغیر و تبدل، مثلاً ابھی گفتگو میں حاضر کے صیغے استعمال ہو رہے تھے، یکایک غائب یا متکلم کے

مکون سے بھی تھا، اس لئے یہان غائب کے صیغے استعمال کئے گئے، تاکہ مفہوم مین عموم پیدا ہو، اور نولدکی جیسے محققین کو یہ شبہہ نہ پیدا ہو، کہ مصر کی زمین تو بارانی نہین ہے، اس لئے وہان بارش کیسے ہوسکتی ہے؟ اور کاشت نیز غلہ کے جمع کرنے کا تعلق چونکہ صرف اہل مصر سے تھا، اسی لئے وہان خطاب کے صیغے استعمال کئے گئے، (واللہ اعلم بالصواب)

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۴۱۴) صیغے استعمال ہونے لگے، ابھی ماضی کا استعمال تھا کہ مضارع کا استعمال ہونے لگا، وغیرہ ذالک یہ علم بلاغت کا ایک اہم شعبہ ہے، اور قرآن پاک کے التفات مین بے انتہا نکات ہین، جو علم بلاغت سے دلچسپی رکھنے والون پر پوشیدہ نہین ہین،

علوم حدیث پر ہندوستان کی عربی تالیفات

از

جناب زبید احمد صاحب لکچرار عربی الہ آباد یونیورسٹی

مین نے ادارۂ معارف اسلامیہ کے دوسرے اجلاس مین ہندوستان کی عربی تصانیف و تالیف متعلقہ علوم قرآنیہ پر مضمون پڑھا تھا، جو اس اجلاس کی روداد مین شائع ہوچکا ہے، اس مضمون کی تمہید مین مین نے عرض کیا تھا کہ ہندوستان مین سندھ، ملتان اور بلوچستان کو چھوڑ کر کہین اور مسلم عربون نے یا کسی عربی بولنے والی قوم نے حکومت نہین کی، البتہ فارسی بولنے والی قومون نے یہان آٹھ نو سو برس تک حکومت کی، اس لئے یہان کی عربی تصانیف و تالیف فارسی تصنیفون کے مقابلہ مین نسبۃً کم ہین اس کے علاوہ ہندوستان کے پیدا کردہ سرمایہ مین بدیع الخیالی اور اُپج کم پائی جاتی ہے، جس کی ذمہ داری ہندوستان پر عائد نہین ہوتی، اس کی وجہ یہ ہے کہ جس زمانہ مین عربی تصنیف و تالیف کا سلسلہ شروع ہوا، یہ وہ زمانہ تھا جس کے کچھ ہی بعد بلاد اسلامیہ کی عام علمی جد و جہد کا عہد زرین ختم ہوگیا، اور بیشتر علوم عربیہ پختگی و ارتقا کی اُس حد کو پہونچ گئے، جس سے آگے مزید ترقی نہین ہوسکتی تھی، اس مضمون مین جملہ علوم اسلامیہ مین سے ہمین صرف علم حدیث سے سروکار ہے، پانچوین صدی ہجری تک تمام علم حدیث پورے طور پر مدون ہوچکا تھا اور احادیث کے سب مجموعے مرتب ہوچکے تھے، اس کے بعد جو کام باقی رہ گیا وہ یہ تھا کہ ان مجموعات کی شرحین لکھی جائین اور ان کی مرویہ حدیثون کی صحت و عدم صحت پر روایۃً و درایۃً بحث کیجائے، نیز یہ کہ ان کو مختلف طریقون سے مرتب کیا جائے اور ان کے نجوم و اشاریات ترتیب دیے جائین

اس کام مین ہندوستان کے مسلمانون نے بھی اپنی بضاعت اور اپنے ماحول کے مطابق حصہ لیا، اُن کی جغرافی وسیاسی دشواریون اور دقتون کو دیکھتے ہوئے کہا جاسکتا ہے، کہ وہ اس خدمت سے کما ینبغی عہدہ برآ ہوئے، علم حدیث کی بابت سب سے بڑی دقت ہندوستان کو یہ تھی، کہ چونکہ وہ عرب سے بہت دور ہے، اس لئے حدیث کے بے شمار راویون مین تدوینِ کتبِ حدیث کے زمانہ تک چند ہندوستانی نام پائے جاتے ہین، یہ عرب، ایران اور خراسان وغیرہ ممالک کی خوش قسمتی تھی، کہ وہان صحاح ستہ ومسانید عشرہ کی تدوین ہوئی، ان چند راویون مین سے جن کا تعلق ہندوستان سے رہا ہے، ایک تو ابوحفص بن ربیع ہین، جن کا شمار تبع تابعین مین ہوتا ہے، آپ ہندوستان یعنی سندھ تشریف لائے، اور سنہ ۱۶۰ھ مین انتقال فرمایا، کہا جاتا ہو کہ اسلام مین سب سے پہلے آپ نے تصنیف کی، یہ تصنیف فنا ہوچکی ہے، خیال ہوتا ہے کہ وہ حدیث ہی پر ہوگی، اگر یہ روایت صحیح ہے، تو آپ کی تصنیف ہندوستان کی پہلی تصنیف ہے، دوسرا نام ابو معشر سندی کا ہے، جو سندھ سے عرب جاکر ام موسیٰ کے مولیٰ ہوگئے تھے، یہ بھی رواۃ ثقہ مین سے ہین، ان کے علاوہ چند نام اور ملتے ہین، اور بس،

مولانا المحترم جناب سید سلیمان صاحب ندوی نے "ہند مین علم حدیث" پر مقالات کا ایک سلسلہ لکھا جو معارف کی کئی اشاعتون مین شائع ہوا، اس سلسلے مین جناب ممدوح نے حضرت ابوحفص رحمۃ اللہ علیہ سے لیکر موجودہ زمانہ تک کے ہندوستانی محدثین کا تذکرہ بسط کے ساتھ فرمایا ہے، مگر آپ نے اُن کی تصانیف وتالیف کا ذکر نہین کیا، اس مضمون مین محدثینِ ہند کی قلمی خدمات کا خاکہ قارئین کرام کی خدمت مین پیش کرتا ہون،

راقم الحروف نے عہد غزنوی سے لیکر ۱۸۵۷ء کے غدر تک کے پہلے پنتالیس چھیالیس مصنفین ومولفین کے اسمائے گرامی جمع کئے ہین، جنھون نے عربی زبان میں علم حدیث کے متعلق کوئی نہ کوئی کتاب تصنیف یا تالیف کی ہے، اس فہرست سے نواب صدیق حسن خان اور مولانا عبدالحلیم فرنگی محلی وغیرہ

اور اُن کے معاصرین خارج ہین، ان مصنفین کی ستر تصانیف ایسی ہین، جن مین سے کچھ تو چھپ چکی ہین، او بقیہ ہاتھ کی لکھی ہوئی مختلف کتب خانون مین موجود ہین، ان ستر کتابون مین سے بائیس کتابین خاص طور پر قابلِ ذکر ہین، ان بائیس کتابون میں سے

(۱) چھ کتابین تو صحاح ستہ اور دیگر کتبِ حدیث کی شروح وحواشی ہین (۲) تین تالیفات ایسی ہین جن مین حدیث کے سابق مجموعون کو نئی ترتیب سے مرتب کیا گیا ہے (۳) ایک کتاب لغتِ حدیث پر ہے (۴) ایک کتاب اربعین یعنی رسالہ چہل حدیث ہے (۵) دو ایسے رسالے ہین جن مین ایک خاص جدید نقطہ خیال سے حدیثون کو جمع کیا گیا ہے (۶) تین ایسی کتابین ہین، جن مین خاص خاص مسائل ومباحث کے متعلق حدیثین جمع کی گئی ہین (۷) ایک تصنیف انیق ایسی ہو جس مین اسرار حدیث کا انکشاف کیا گیا ہے، (۸) ایک تالیف اصولِ حدیث پر ہے (۹) دو رسالے اسماء الرجال کے متعلق ہین (۱۰) دو رسالے موضوع حدیثون پر ہین، کل ۲۲

پہلو ذیل کی کتابین یعنی چھ شرح اور حواشی

(۱) ان مین سے ایک لمعات التنقیح علی مشکوٰۃ المصابیح ہے جو شیخ عبدالحق حقی محدث دہلوی کی تالیف انیق ہے، محدث موصوف ہندوستان کے مشہور علمار محدثین مین سے ہین، آپ نے ۹۵۸ھ / ۱۵۵۱ء میں ولادت پائی اور ۱۰۵۲ھ / ۱۶۴۲ء مین رحلت فرمائی، آپ نے ہندوستان مین علمِ حدیث کی جو نمایان خدمت کی وہ محتاجِ بیان نہین، آپ کئی تصانیف کے مالک ہین، منجملہ اُن کے لمعات التنقیح ہے، آپ اس کتاب کے دیباچہ مین تحریر فرماتے ہین، کہ جب مین مشکوٰۃ شریف کی شرح فارسی مین لکھ رہا تھا، تو چند ایسے اہم علمی مسائل ونکات پیش آئے، کہ وہ فارسی زبان مین بیان نہین کئے جاسکتے تھے، اس لئے مین نے عربی مین شرح لکھنا شروع کی، فارسی شرح نامکمل رہی، اور عربی شرح تکمیل کو پہونچ گئی، اس شرح مین لغوی ونحوی دقائق، فقہی مسائل اور ایک ہی حدیث کے مختلف طرقِ روایات جابجا بیان کئے گئے ہین، راویون کے اسمار والقاب صحت کیساتھ منضبط ہوئے ہین،

شیخ موصوف نے جو خاص کام کیا ہی، وہ یہ ہے، کہ احادیث سے فقہ حنفی کی تطبیق نہایت کامیابی کیساتھ کرتے گئے ہین، تا اینکہ خود ہی فرماتے ہین، کہ اس شرح کو دیکھنے سے معلوم ہو جائے گا کہ امام الشافعی اصحاب الرائے مین سے ہین، اور ابو حنیفہ اصحاب ظواہر سے یہ مقدمہ بجاے خود ایک رسالہ ہے، جس مین حدیث کے اقسام کا ذکر کیا گیا ہی، اس مقدمہ کی اہمیت کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے، کہ یہ مقدمہ مشکوٰۃ شریف کے تمام یا اکثر ہندوستانی ایڈیشنون کے شروع مین الحاق کر دیا گیا ہے،

(۲) دوسری قابل ذکر کتاب اس ذیل کی ابو الحسن سندی کا حاشیہ صحیح البخاری ہی، ابو الحسن سندی ٹھٹھ مین پیدا ہوئے، ابتدائی تعلیم پانے کے بعد مدینہ منورہ کو ہجرت کر گئے، وہان آپنے محدث کی حیثیت سے بڑی شہرت حاصل کی، ۱۱۳۸ھ مین انتقال فرمایا، مصری مصنف مرادی نے اپنی سلک الدرر مین آپ کا اور آپ کی تصانیف کا ذکر کیا ہے، کشف الظنون مین بھی آپکا نام مذکور ہے، اس حاشیہ مین مشکل الفاظ اور مغلق عبارتون کی تشریح اور توضیح کے علاوہ عنوانات ابواب بخاری کی بھی صراحت و وضاحت پائی جاتی ہے،

(۳) تیسری تالیف شاہ ولی اللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کی مسوی ہے جو موطاے امام مالک کی شرح ہے، شاہ صاحب کی ذات بابرکات محتاج تعارف نہین، آپ ہر حدیث کی نہایت عالمانہ تشریح و توضیح کرتے ہین، مختلف علماء کی تشریحین بیان فرماتے ہین، ہر باب مین شافعی و حنفی مذہب بتاتے ہین، اور حدیث کی تائید مین اگر کوئی آیت قرآنی ہوتی ہی تو اُسے بھی نقل کرتے ہین، شاہ صاحب نے موطا کی شرح فارسی زبان مین لکھی، مگر وہ ایسی جامع نہین،

(۴) چوتھی کتاب شرح تراجم ابواب البخاری ہے، جس کے مصنف بھی شاہ ولی اللہ صاحب ہین، اس کتاب مین شاہ صاحب نے ابواب بخاری کی تشریح و توضیح فرمائی ہے، شاہ صاحب نے شروع مین ابواب بخاری بجھنے کے لئے چند اصول بیان کئے ہین، مثلاً وہ فرماتے ہین:

(۱) بعض اوقات امام بخاری ایسی حدیث مرفوع کو عنوان قرار دیتے ہین، جو خود اُن کی شرطون کے مطابق نہین ہوتی، مگر اس عنوان کے تحت مین ایسی حدیث بیان کرتے ہین، جو اُن کے شرائط کے مطابق ہوتی ہے،

(۲) بعض اوقات وہ ایسے مسئلہ کو باب قرار دیتے ہین، جو کسی نص سے مستخرج ہوتا ہے،

(۳) کبھی وہ علماے سابق کے مذہب کو باب قرار دیتے ہین، اور پھر وہ ایسی حدیثین روایت کرتے ہین جن سے اُن کے مذہب کی تائید ہوتی ہے،

(۴) کبھی وہ مسئلہ مختلف فیہ کو باب قرار دیتے ہین، اور پھر تمام متضاد حدیثون کو روایت کرتے ہین، تاکہ فقیہ اپنی راے کے مطابق نتیجہ نکال لے،

(۵) کبھی وہ کئی حدیثین ایک عنوان کے تحت مین بیان کرتے ہین، اور پھر وہ ایسی حدیث نقل کرتے ہین جو عنوان متعلقہ کا تتمہ ہوتی ہی، ایسی حدیث کو وہ لفظ "باب" سے بیان کرتے ہین، اس کے یہ معنی نہین ہوتے، کہ وہ ایک مختلف یا جداگانہ باب ہی، بلکہ اس موقع پر "باب" کا استعمال ایسا ہی ہے جیساکہ متاخرین کی تصانیف و تالیفات مین تنبیہ یا فائدہ کی اصطلاح مستعمل ہوتی ہے،

(۶) بعض اوقات وہ لفظ "باب" قول المحدثین کے بجاے استعمال کرتے ہین، یعنی وہ لفظ "باب" استعمال کرتے ہین اور اس سے "قول المحدثین" مراد ہوتا ہے،

(۷) کبھی وہ مذہب بعض الناس کو یا ایسی حدیث کو جو اُن کے نزدیک معتبر نہیں، باب قرار دیتے ہین، اور پھر وہ صحیح حدیث بیان کرتے ہین، جس سے مذہب بعض الناس یا حدیث ضعیف کی تردید مقصود ہوتی ہے،

(۸) پانچوین کتاب از قسم شروح و حواشی محلّی ہے، جو موطا کی شرح ہے، اور سلام اللہ محدث رامپوری کی تصنیف ہے، یہ سلام اللہ دہلی کے مشہور محدث شیخ عبد الحق حقی کی اولاد مین سے ہین،

آپ نے ۱۱۲۹؁ھ ۱۷۱۶؁ء مین انتقال فرمایا،

اس شرح کے شروع مین ایک مقدمہ ہی جس مین اصطلاحاتِ حدیث کا بیان ہی اور امام مالک کا تذکرہ اور موطا پر تنقید ہے، وجہ تالیف یہ بتاتے ہین، کہ زرقانی کی شرح موطا ہندوستان مین متداول نہین ہی، اور یہان کسی ہندوستانی نے اسکی شرح نہین لکھی، اس لئے مین نے اس شرح کا تہیہ کیا، معلوم ہوتا ہی کہ شاہ ولی اللہ کی مسوّی جو تیس برس پہلے لکھی جا چکی تھی، محلّی کے مصنف کی نگاہ سے نہین گذری تھی، محلّی مسوّی سے زیادہ جامع ہے، مگر مسوی کی ترتیب محلّی کی ترتیب سے بہتر ہی،

(۶) چھٹی کتاب المواہب اللطیفہ ہے جو محمد عابد سندھی المتوفی ۱۲۵۷؁ھ ۱۸۴۱؁ء کی شرح ہے مسند امام ابوحنیفہ پر، محمد عابد سندھی سندھ مین پیدا ہوئے، بیرونِ ہند زبید مین جا کر تعلیم تکمل کی، پھر صنعا گئے، وہان کے وزیر نے اپنی لڑکی سے آپ کا نکاح کر دیا، پھر وہ امیر صنعا، کی طرف سے مصر سفیر مقرر ہو کر گئے، کچھ مدت کے بعد سندھ واپس آئے، لیکن "دیارِ حبیب" کی کشش پھر مدینہ منورہ لے گئی، وہان آپ رئیس العلماء مقرر ہوئے، آپ نے کئی تصانیف چھوڑی ہین جن مین سے ایک یہ شرح ہے، مسند ابوحنیفہ کی کئی عالمون نے شرحین لکھی ہین، جن مین سے ملا علی قاری کی شرح مشہور ہے، ہمارے شارح نے سابقہ شروح سے فائدہ اٹھایا ہے، اور احادیثِ مُسند کی تائید مین دیگر طرق کی حدیثون کو بھی بیان کیا ہے،

۲- دوسری ذیل کی یعنی ایسی تالیف جنمین سابقہ مجموعاتِ حادیث کو نئی ترتیب سے مرتب کیا گیا ہو

۱- ان مین ایک تو مشارق الانوار النبویہ من صحاح الاخبار المصطفویہ ہے جو حسن صغانی لاہوری کی تالیف ہے، آپ کے مورث اعلی صغان یا صاغان (ماوراء النہر) کے رہنے والے تھے، آپکے آخری بزرگ لاہور مین آکر متوطن ہوئے تھے، ۵۷۷؁ھ ۱۱۸۱؁ء مین آپکی ولادت ہوئی، اپنے والد ماجد سے جو فقیہ کامل اور محدث عامل تھے، تعلیم حاصل کی، پھر بغداد تشریف لے گئے، دو برس کے قیام کے بعد ۶۱۷؁ھ مین سلطان التمش دہلی کے دربار مین خلیفۂ عباسی کی طرف سے سفیر مقرر ہو کر آئے

سات برس قیام کرنے کے بعد پھر بغداد واپس گئے، اور پھر دوبارہ سفیر مقرر ہو کر آئے، ۶۵۰؁ھ ۱۲۵۲؁ء مین انتقال کیا، حسن صغانی محدث بھی تھے، اور ماہرِ لغت بھی، بلکہ ماہرِ لغت ہونے کی حیثیت سے آپ زیادہ مشہور ہین چنانچہ آپ کی عباب علم لغت پر بڑی اہم تصنیف خیال کیجاتی ہے، صغانی کی نسبت سے کئی عالم مشہور ہین، جن مین سے دو زیادہ اہم ہین، ایک تو یہ اور دوسرے محمد بن اسحاق بن جعفر المتوفی ۲۷۰؁ھ یا ۲۷۱؁ھ، یہ بڑے بلند پایہ محدث تھے، محدثین اور اصحابِ رجال ان کو ثقہ مانتے ہین، ان سے امام مسلم اور امام ترمذی نے بھی روایت کی ہے، حدیث کے سلسلہ مین جہان کہین مجرد صغانی کا ذکر آتا ہی، وہان یہ محمد ابن اسحاق مراد ہوتے ہین، اور لغت کے متعلق محض صغانی سے ہمارے صغانی مقصود ہوتے ہین،

مشارق الانوار مین صحیحین کی احادیث کو ابتدائی الفاظ کے اعتبار سے مرتب کیا ہے، گویا یہ کتاب صحیحین کا انڈکس ہی، یہ کتاب بارہ ابواب پر مشتمل ہی، ہر باب مین کئی کئی فصلین ہین، چند باب کے عنوانات مثال کے طور پر بیان کئے جاتے ہین،

باب اول، وہ احادیث جو اسم موصول وضمیر استفہامی مَن سے شروع ہوتی ہین،

باب دوم، وہ احادیث جو انّ سے شروع ہوتی ہین، اس باب مین دس فصلین ہین یعنی لحاظ مختلف ضمائر جن کے ساتھ انّ ملحق ہی، مثلاً انّہ، انّھم، انّک وغیرہ

باب سوم وہ احادیث جو لائے نفی سے شروع ہوتی ہین، وغیرہ وغیرہ،

اس کتاب کی کئی شرحین لکھی جا چکی ہین،

۲- دوسری تالیف اس ذیل کی کنز العمال فی سنن الاقوال والافعال ہی، جو علی متقی برہانپوری کی علمی کوششون کا نتیجہ ہے، آپ ۸۸۵؁ھ ۱۴۸۰؁ء مین بمقام برہانپور پیدا ہوئے، تعلیم سے فراغت اور چشتیہ خاندان مین بیعت کے بعد حجاز تشریف لے گئے اور وہین سکونت اختیار کر لی، آپ بڑے پایہ کے عالم باعمل اور محدثِ باکمال تھے، آپ کی کئی تصانیف ہین،

سب سے پہلے ابو الحسن رزین بن معاویہ نے صحاح ستہ کو ایک جگہ جمع کرکے ابواب پر مرتب کیا، ان کے بعد ابن الاثیر جزری نے اس کتاب کی از سر نو تدوین و تہذیب اور تصحیح و تبویب کرکے جامع الاصول نام رکھا، پھر سیوطی نے کتب ستہ اور مسانید عشرہ کو ایک کتاب میں جمع کرکے جمع الجوامع کے نام سے موسوم کیا، پھر اس ضخیم تالیف کی تلخیص بھی کی جو جامع صغیر کے نام سے مشہور ہے، اس مین صرف احادیث قولیہ شامل ہین ہندی محدث نے اپنی تالیف کنز العمال مین اسی جمع الجوامع کو فقہی ابواب پر از سر نو مرتب کیا، سب سے پہلے آپ نے جامع الصغیر کی احادیث کو مرتب کیا، اور منہج العمال فی سنن الاقوال نام رکھا، پھر جمع الجوامع کی بقیہ احادیث قولیہ کو جمع کیا، اور اس کا نام اکمال منہج العمال رکھا، پھر دونون کو ایک جگہ جمع کرکے غایات العمال کے نام سے موسوم کیا، پھر جمع الجوامع کی احادیث فعلیہ کی تبویب و ترتیب کی، اور اس کا نام مستدرک الاقوال رکھا، پھر تینون تالیفون کو جمع کرکے کنز العمال فی سنن الاقوال والافعال کے نام سے موسوم کیا، یہ کتاب حیدرآباد سے آٹھ جلدون مین شائع ہوئی ہے، کتاب کی فہرست بھی نہایت مفید اور باقاعدہ ہے، اس کتاب کی اہمیت محتاج بیان نہین، فاضل مصنف کے استاذ ابو الحسن بکری فرمایا کرتے تھے، کہ جلال الدین سیوطی نے جمع الجوامع تصنیف کرکے عالم اسلامی پر احسان کیا، اور علی متقی نے اسے فقہی ترتیب پر مدون کرکے سیوطی پر احسان کیا،

۳- تیسری کتاب از قسم مجموعات احادیث مسند امام اعظم ہے، جسے محمد عابد سندھی مقدم الذکر نے مرتب کیا ہے، امام اعظم سے پندرہ مسانید مروی ہین، جن مین سے ایک بروایت صدر الدین موسیٰ حصکفی المتوفی سنہ ۶۵۰ھ ہے، محدث سندی نے اسی مسند کو فقہی ابواب پر مرتب کیا ہے،

۳- تیسری ذیل کی یعنی لغت حدیث کی ایک کتاب

(۱) یہ مجمع بحار الانوار فی غرائب التنزیل و لطائف الاخبار ہے جو مشہور گجراتی محدث شیخ محمد بن طاہر پٹنی کی تصنیف لطیف ہے، آپ گجرات کے رہنے والے اور قبیلہ نوائت سے تعلق رکھتے تھے، سنہ ۹۱۴ھ مین پیدا ہوئے، ابتدائی تعلیم

ہندوستان مین حاصل کرکے حجاز تشریف لے گئے، اور وہان حضرت علی متقی رحمۃ اللہ علیہ کے حلقۂ تلمذ و ارادت مین داخل ہوگئے، پھر ہندوستان واپس تشریف لاکر بوہرون کی اصلاح کا بیڑا اٹھایا، اور اسی کار نیک کے سرانجام دینے مین شربت شہادت نوش فرمایا، مجمع بحار الانوار کو تلمیذ رشید نے اپنے مرشد کامل علی متقی کے نام گرامی سے معنون کیا ہے، یہ کتاب چھپ چکی ہے، کافی بڑی تقطیع کے ۱۰۰۰ صفحات پر مشتمل ہے، یہ تصنیف قرآن و حدیث کا جامع لغت ہے، الفاظ کی ترتیب مادہ کے حروف پر ہے، ایک مادہ کے جس قدر حروف قرآن و حدیث مین آئے ہین، ان سب کو ایک جگہ بیان کرتے ہین، اور جن احادیث مین وہ الفاظ آئے ہین، ان کو بھی نقل کرتے ہین، اس سے پہلے غرائب قرآن و حدیث پر کئی کتابین لکھی جاچکی ہین، لیکن میری ناقص راے مین یہ سب سے بہتر و جامع تر ہے،

۴- چوتھی ذیل (رسالہ اربعین) کی ایک کتاب

ایک حدیث مین ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، کہ جو شخص میرے امتیون کے لئے چالیس حدیثین جمع کریگا، قیامت کے دن اس کا حشر علماے دین مین ہوگا، اور مین اسکی شفاعت کرونگا، اس سعادت کے حصول کے لئے بہت سے علما نے چالیس حدیثون کے مجموعے لکھے، جو "چہل حدیث" یا "چہل رسالون" کے نام سے موسوم ہین، ہندوستانیون کے تالیف کردہ چہل رسالون مین شاہ ولی اللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کا رسالہ خاص طور سے قابل ذکر ہے، اس کی خصوصیت یہ ہے کہ اس مین وہ صحیح احادیث ہین، جو جناب رسالت مآب صلعم روحی فداہ سے شاہ صاحب کے استاذ ابو طاہر مدنی تک اور انسے شاہ صاحب تک پہنچی ہین، شاہ صاحب سے لیکر آنحضرت صلعم تک جسقدر اسناد ہین وہ سب بیان کئے گئے ہین،

۵- ایسے دو رسالے جن مین ایک خاص جدید نقطۂ خیال سے حدیثون کو جمع کیا گیا ہے،

(۱) ان مین سے ایک الدر الثمین فی مبشرات النبی الامین ہے، اس کے مرتب و جامع بھی شاہ ولی اللہ صاحب ہین، یہ بھی مندرجۂ بالا رسالہ اربعین کی طرح چالیس حدیثون کا مجموعہ ہے، اس مین وہ حدیثین ہین جو خواب مین براہ راست حضرت رسالت مآب صلعم کی زبان مبارک

سے سُنی گئین، ان حدیثون کو شاہ صاحب نے تین حصون مین منقسم کیا ہی، ایک وہ جنھیں خود شاہ صاحب نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا، دوسری وہ حدیثین جو اونھون نے ایک واسطے سے سنین، تیسری وہ حدیثین جو شاہ صاحب کو ایک سے زیادہ واسطے سے پہنچین، چند حدیثین نمونہ کے طور پر ذیل مین درج ہین،

ایک حدیث ہی، شاہ صاحب فرماتے ہین کہ ایک مرتبہ جب مین کمبھے واقع گجرات کی مسجد مین مراقبہ کر رہا تھا، تو مین نے آنحضرت صلعم کی روحِ مبارک کو دیکھا، کہ مجھ پر ایک چادر ڈالدی جس سے تمام مذہبی اسرار ونکات مجھ پر منکشف ہوگئے،

دوسری حدیث ہی، شاہ صاحب فرماتے ہین، کہ مین نے خواب مین شیعہ فرقہ کی بابت دریافت کیا، تو فرمایا کہ وہ باطل ہی،

تیسری حدیث ہی، شاہ صاحب فرماتے ہین، کہ مین نے دریافت کیا کہ فقہ کے چارون مذہبون مین کونسا بہتر ہے، آپنے فرمایا کہ چارون برابر ہین،

دوسری قسم کی احادیث جو شاہ صاحب نے ایک یا دو واسطے سے سنین وہ ہین، جو اُن کے والد ماجد یا اُستاد شفیق نے اُن سے بیان کین،

ان حدیثون کی نوعیت مروی احادیث سے مختلف ہے، ان کو اس معنی مین تو حدیث کہا جا سکتا ہو کہ آنحضرت صلعم کی زبانِ مبارک سے سُنی گئین، مگر چونکہ وہ خواب مین مسموع ہوئی ہین، اس لئے وہ دوسرون کے لئے حجت نہین ہین،

(۲) دوسری کتاب النوادر من الحدیث ہی یہ بھی شاہ صاحب ہی کی تصنیف انیق ہے اور درالثمین سے مختلف ہی یہ اس قسم کی کتاب نوادر ہے، جس طرح کہ ادب مین، تاریخ مین یا دیگر علوم مین کتب نوادر ہوا کرتی ہین، شاہ صاحب نے اس رسالہ مین حدیث کے متعلق نادر وغریب باتین جمع کی ہین، مثال کے طور پر چند نمونے پیش ہین،

١- ایک حدیث مسند الجن ہے یعنی ایسی حدیث جسے جن نے رسول مقبول صلعم سے سنا، جن سے خداوند تعالیٰ نے سُنا، اور خداوند تعالیٰ سے پھر رسول مقبول نے سُنا، پوری حدیث مع اسناد یون ہے، عن النبی عن اللہ عن الجن عن النبی قل اوحی الیَّ انہ استمع نفر من الجن فقالوا انا سمعنا قرانا عجبا یھدی الی الرشد

یہان پہلے راوی جن نے قرآن رسول سے سُنا، پس قرآن حدیث کا متن ہے، اور جن پہلا راوی، دوسرا راوی خدا جس نے یہ قول جن رسول پر اتارا، اور پھر اس روایتِ خدا کا ناقل خود رسول ہی لہذا اس کا سلسلۂ اسناد عن النبی عن اللہ عن الجن عن النبی ہوا،

٢- ایک حدیث المسلسل بالاولیہ ہی یعنی وہ حدیث جس کو ہر راوی نے مروی عنہ سے روایت کرتے ہوئے یہ الفاظ کہے کہ "یہ پہلی حدیث ہے، جو مین نے سُنی" اور وہ یہ ہے، حدثنی السید عمر ھو اول حدیث سمعتہ منہ قال حدثنی[1] وھو اول حدیث سمعتہ ...... قال الراحمون یرحمھم الرحمن تبارک وتعالیٰ ارحموا من فی الارض یرحمکم من فی السماء،

٣- الحدیث المسلسل بالفقھا یعنی ایسی حدیث جس کے تمام راوی فقیہ ہین،

۴- ایک وہ حدیث جس کے تمام راوی صوفی ہیں،

۵- ایک وہ حدیث جس کے تمام راویون کا نام احمد ہے،

٦- ایک وہ حدیث جس کے تمام راویون کے نام حرفِ عین سے شروع ہوتے ہین،

۴- تین ایسی تالیفین جن مین خاص خاص مباحث ومسائل کے متعلق حدیثین جمع کی گئی ہین

١- ان مین سے ایک تلخیص البیان فی علامات مہدی آخر الزمان ہی، یہ شیخ علی متقی برہان پوری کی تالیف ہے، جن کا اوپر ذکر آچکا ہی، جیسا کہ اس کے نام سے ظاہر ہے، اس مین حضرت مہدی موعود کے متعلق حدیثین جمع کی گئی ہین، حافظ جلال الدین سیوطی نے اس موضوع پر ایک کتاب العرف الوردی لکھی تھی، ہمارے فاضل ہندی نے سیوطی کی اس تالیف

---

[1] یہان راوی کا نام میری یاد سے جاتا رہا ہے، منہ

کی ازسرنو تہذیب و تدوین کرکے دوسرا جامہ پہنا دیا ہے، کچھ نیا مواد بھی بڑھا یا ہے، یہ کتاب اس ماحول مین لکھی گئی تھی، جب ہندوستان مین محمد جونپوری مہدی موعود ہونے کا دعوی کرچکے تھے اور ہندوستان و عرب مین یہ مسئلہ معرکۃ الآرا بنا ہوا تھا، فاضل مولف مقدمۂ کتاب مین فرماتے ہین، کہ محمد جونپوری یقیناً مہدی نہ تھے، وہ ایک خدا رسیدہ بزرگ اور ولی ہو سکتے ہین، مگر بعض اوقات ولی سے بھی غلطی ہوسکتی ہے، معصوم صرف پیغمبر ہوتے ہین، یہ کتاب مندرجہ ذیل تیرہ فصلون پر منقسم ہے (۱) معجزات حضرت مہدی (۲) آپ کا سلسلۂ نسب، (۳) شکل و صورت (۴) کن حالات مین آپ کا ظہور ہوگا (۵) علامات (۶) کس طرح اُن کی اطاعت و بیعت کیجائیگی (۷) ان کے انصار (۸) فتوحات (۹) حضرت عیسیٰؑ سے ملاقات (۱۰) مدتِ قیام (۱۱) موت (۱۲) اُن لوگون کا ذکر جنھون نے مہدی ہونے کا دعوی کیا (۱۳) علمائے مکہ و مدینہ کا فتوی،

(۲) اسی ذیل کی دوسری کتاب ماثبت بالسُنہ فی ایام السنہ ہے جو شیخ عبد الحق حقی محدث دہلوی کی تصنیف ہے، اس مین سال کے بارہ مہینون کے بارے مین جو احادیث مروی ہین، اُن کو ایک جگہ جمع کر دیا گیا ہے، ماہِ محرم سے ابتدا ہوتی ہے، ماہ محرم خاصکر عاشورۂ محرم کے بارے مین جو صحیح حدیثین مروی ہین، ان کو نقل کیا ہے، اور محرم کے سلسلہ مین جو رسوم اور توہمات عام طور سے اُس زمانہ مین مروج تھے، ان کی تردید کی ہے، مثلاً یہ خیال کہ عاشورے کے روز سرمہ لگانے سے آنکھین نہین دکھتین، یا عاشورے کے دن غسل کرنے والا کبھی بیمار نہین ہوتا، لغو اور باطل ہے، اس کے بعد اُن تمام احادیث پر جو شہادت امام حسین علیہ السلام کے متعلق ہین، تنقید و تبصرہ ہے، آخر مین حضرت امیر معاویہؓ اور حضرت زبیر بن عوامؓ کے باہمی تعلقات کا ذکر ہے، ماہ صفر کے ذیل مین اس خیال کی تردید کی گئی ہے، کہ صفر نامبارک مہینہ ہے، ربیع الثانی کی بحث مین حضرت شیخ عبد القادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کا مختصر سا حال ہے،

اس کے بعد احادیثِ متعلقہ رجب پر تنقید ہے، اور لیلۃ الرغائب پر تبصرہ ہے، اسی طرح شعبان،

رمضان، شوال اور ذی الحجہ کے سلسلہ مین روزہ، تراویح، عید الفطر و عید اضحیٰ اور حج کے متعلق احادیث بیان کی ہین،

۳۔ اسی ذیل کی تیسری کتاب تحقیق الاشارۃ الی تعمیم البشارہ ہے، یہ بھی حضرت شیخ عبد الحق کی تصنیف ہے، اس مین اُن تمام حدیثون کو جمع کیا ہے، جن مین کسی نہ کسی بزرگ کو جنت کی بشارت دی گئی ہے،

۷۔ اسرار حدیث پر ایک کتاب

(۱) یہ شاہ ولی اللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کی تصنیف لطیف حجۃ اللہ البالغہ ہے، شاہ صاحب کا مقام نہ صرف علمای ہند کی صفِ اول مین ہے، بلکہ اپنے عہد کے تمام بلادِ اسلامیہ کے عربی مصنفین و مولفین مین نمایان حیثیت رکھتے ہین، نواب صدیق حسن مرحوم نے بالکل سچ کہا ہے کہ اگر شاہ صاحب قدمار کے دور مین پیدا ہوتے تو امامِ وقت سمجھے جاتے" اب بھی وہ غزالی ہند مانے جاتے ہین، آپ کی تصانیف بہت ہین، ان سب مین بہتر غالباً حجۃ اللہ البالغہ ہے، اس کتابِ مستطاب مین شاہ صاحب نے جملہ احکامِ دین کی نہایت معقول و دلپذیر توجیہ فرمائی ہے، ان کی یہ کتاب امام غزالی کی شہرۂ آفاق احیاء العلوم سے بہتر سمجھی جاتی ہے،

آغازِ کتاب مین فرماتے ہین کہ "علومِ اسلامیہ کی بنیاد علم الحدیث پر ہے، اور علم حدیث کی کئی شاخین ہین، جن مین علم الاسرار یعنی وہ علم جو احادیث کے اسرار و دقائق واضح کرتا ہے، بہت اہم ہے، جس کو یہ علم حاصل ہے وہ حق و باطل مین پوری طور پر تمیز کرتا ہے، اور اس کا حال اُس شخص کی طرح نہین جسے طبیب سیب کھانے کو بتائے، اور وہ مشابہت کی بنا پر بجائے سیب کے حنظل کھالے"

آپ کا دعوی ہے کہ ہر مذہبی حکم معقول اور اصولِ افادیت پر مبنی ہے، لیکن اسی کے ساتھ یہ بھی فرماتے ہین، کہ جب کوئی حدیث صحیح و مستند ثابت ہوجائے تو اس کی تعمیل اس پر منحصر نہ ہونی چاہئے، کہ اسکی حکمت و مصلحت سمجھ مین آجائے، کیونکہ ہر حکم کی مصلحت و حکمت ہر شخص کے ذہن مین نہین آسکتی، لہذا بجائے اپنے دماغ پر اعتماد کرنے کے یہ زیادہ بہتر ہے کہ جناب رسالت مآب صلعم کے ارشاد پر اعتماد کیا جائے،

شاہ صاحب عالم مادی و عالم روحانی کے علاوہ ایک اور عالم کے قائل ہیں، جسے وہ عالم مثال کہتے ہیں، شاہ صاحب کا یہ عالم مثال افلاطون کے عالم مثل سے مختلف ہے، اس نظریہ کے مطابق ہر وہ چیز جو اس دنیا میں موجود ہے، عالم مثال میں بھی اپنا وجود رکھتی ہے، شاہ صاحب نے اس نظریہ کی تائید میں کئی حدیثوں کو پیش کیا ہے، اور ایسی حدیثوں کو جن کا مفہوم بظاہر سمجھ میں نہیں آتا، اس نظریہ کے ذریعہ سے سمجھایا ہے، مثلاً ایک حدیث شریف ہے کہ بقرا ور عمران کی سورتیں قیامت کے روز سحاب کی شکل میں ظاہر ہوں گی، ایک اور حدیث ہے کہ بروز جزا انسان کے اعمال سامنے آئیں گے، سب سے پہلے نمازیں سامنے آئیں گی، اور پھر زکوٰۃ اور روزے یکے بعد دیگرے، ایک اور حدیث ہے کہ آنحضرت صلعم فرماتے ہیں کہ میں تمہارے گھروں میں فتنے برستے ہوئے دیکھتا ہوں، اس قسم کی کئی حدیثیں نقل کرنے کے بعد شاہ صاحب کہتے ہیں، کہ ان حدیثوں کی تعبیر کی تین صورتیں ہوسکتی ہیں، ایک تو یہ کہ ان کے لفظی معنی مراد لئے جائیں تب تو عالم مثال کا وجود ماننا پڑتا ہے دوسری صورت یہ کہ یہ واقعات حقیقت میں یوں نہیں ہوتے، بلکہ اس طرح دکھلائی دیتے ہیں تیسری صورت یہ کہ ان کی تاویل کیجائے، اور ان کے مجازی معنی مراد لئے جائیں، شاہ صاحب آخری صورت خلاف حق سمجھتے ہیں، شاہ صاحب نے عالم مثال کو اس قدر وسعت دی ہے کہ رسول مقبول صلعم کے جبرئیل سے ملاقات کرنے یا فرشتوں کا قبر میں جاکر مردوں سے سوال وجواب کرنے وغیرہ کی قسم کے واقعات کو عالم مثال کے واقعات قرار دیا ہے، مولانا شبلی نعمانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اگر شاہ صاحب کی اس تشریح و توضیح حدیث کو دیگر علما قبول کرلیں تو پھر مذہب اور فلسفہ میں بہت ہی کم فرق رہجاتا ہے،

لیکن اس ہیچ میرز و ہیچ مدان کو نہایت ادب کے ساتھ شاہ صاحب کے نظریہ عالم مثال پر اعتراض ہے وہ یہ کہ شاہ صاحب کو بعض احادیث کے خلاف عقل مفہوم کی تشریح و توضیح کرنے کے لئے ایک ایسے عالم کا وجود ماننا پڑتا ہے جس کی ہمارے روزمرہ کے واقعات اور تجربات سے تائید نہیں ہوتی، دوسرے یہ کہ عالم مثال کا وجود ثابت کرنے کے لئے شاہ صاحب نے جو دلیل دی ہے اس میں دور لازم آتا ہے، وہ عالم مثال

کے وجود کو مانتے ہیں، اس لئے کہ بعض احادیث کے مفہون ایسے ہیں، کہ عالم مثال کے نظریہ سے اُن کی تشریح و توضیح ہوسکتی ہے اور ان خلاف عقل حدیثوں کے مفہون یوں صحیح ہیں کہ عالم مادی و روحانی کے علاوہ ایک عالم مثال اور ہے، علاوہ برین مثال کے طور پر یہ حدیث کہ قیامت کے روز بقرا ور عمران کی سورتیں ابر کی شکل میں نمودار ہوں گی، عالم مثال کے نظریہ سے کیونکر سمجھائی جاسکتی ہے، میری رائے ناقص میں ان حدیثوں کے مجازی معنی مراد لینے میں کوئی قباحت نہیں،

اس کتاب کے دو حصے ہیں، پہلے حصہ میں اُن اصول عامہ کا بیان ہے کہ جن سے مذہبی اوامر و نواہی کی توجیہ کیجاسکتی ہے، اس حصہ میں سات مبحث ہیں اور ہر مبحث میں کئی کئی ابواب، دوسرے حصہ میں تمام مذہبی احکام کی حکمت و مصلحت بتائی گئی ہے،

۸- اصول حدیث پر ایک کتاب — (۱) الفیض النبوی فی اصول الحدیث و فہارس البخاری، محمد عارف جنتی، یہ کتاب ایک مقدمہ اور چار فصلوں پر مشتمل ہے، مقدمہ میں اصطلاحات حدیث کا بیان ہے، چار فصلوں میں اصول حدیث سے بحث کی گئی ہے، آخر میں امام بخاری اور اُن کی تصنیف پر تنقید و تبصرہ ہے،

۹- اسماء الرجال پر دو رسالے — (۱) ان میں سے ایک دُرّ السحابہ فی بیان مواضع وفیات الصحابہ مؤلفہ حسن صغانی ہے، یہ ایک چھوٹا سا رسالہ ہے، اس میں تقریباً آٹھ سو صحابہ کے مقامات رحلت کا ذکر ہے، اسماء صحابہ حروف تہجی کی ترتیب سے درج ہیں،

(۲) دوسرا رسالہ کتاب اسماء رجال مشکوٰۃ المصابیح ہے، شیخ عبدالحق حقی محدث دہلوی کی تالیف ہے، اس میں مشکوٰۃ شریف کی تمام احادیث کے راویوں کا مختصر تذکرہ ہے، سب سے پہلے خلفاء راشدین کا تذکرہ ہے، پھر آل رسول کا، اس کے بعد دیگر صحابہ کا،

۱۰- دو رسالے احادیث موضوعہ پر — (۱) ان میں سے ایک حسن صغانی مقدم الذکر کا رسالہ فی الموضوعات من الحدیث ہے،

(۲) دوسرا محمد طاہر پٹنی کا رسالہ تذکرۃ الموضوعات ہے، اس رسالہ کے شروع مین ایک مقدمہ ہے، اس مین آپ تنبیہا فرماتے ہین، کہ اگر کوئی مصنف کسی حدیث کو موضوع بتائے تو جب تک دوسرے ذرائع سے اُس کی تصدیق وتائید نہ ہوجائے، اس حدیث کو موضوع نہ سمجھا جائے، اس کے ثبوت مین فرماتے ہین، کہ ابن جوزی کی کتاب موضوعات مین ضعیف حدیثون کا کیا ذکر، بہت سی حسن حدیثین موجود ہین، آگے چل کر ان احادیث پر جن کو کسی نہ کسی عالم نے موضوع قرار دیا ہے، تنقید کی ہے، یہ ایک دلچسپ رسالہ ہے اور چھپ چکا ہے،

خطباتِ مدراس

مولانا سید سلیمان ندوی نے سنہ ۱۹۲۶ء مین مدراس مین سیرت نبوی کے مختلف پہلوؤن پر آٹھ خطبے دیئے تھے، جو نہایت مقبول ہوئے، اور مسلمانون نے ان کو بیحد پسند کیا، یہ اس کتاب کا تیسرا ایڈیشن ہے،

قیمت :- عہ، ضخامت ۱۹۴ صفحے،

حیاتِ امام مالک

امام مالکؒ کی سوانح عمری، علم حدیث کی مختصر تاریخ، فقہ مدنی کی خصوصیت اور علمِ حدیث کی پہلی کتاب، موطاے امام مالکؒ پر تبصرہ، طبع سوم

قیمت، عہ، ضخامت :- ۱۰۶ صفحے،

منیجر دار المصنفین

ابنِ خلدون کے معاشی خیالات

از

جناب محمد عبد القادر صاحب بی ایس سی آنرز لندن لکچرار معاشیات، جامعہ عثمانیہ

(یہ مقالہ بزم دینیات جامعہ عثمانیہ کی موتمر اسلامیہ مین ۲۹ شعبان سنہ ۱۳۶۱ھ کو پڑھا گیا)

پچھلے ڈیڑھ سو سال مین ابن خلدونؒ[1] پر کافی تحقیقی کام ہوا ہے، اور یورپی زبانون مین اسکے متعلق کئی کتابین اور مقالے لکھے گئے ہین، لیکن محققین نے اپنی توجہ زیادہ تر مصنف کے فلسفۂ تاریخ اور عمرانی نظریون کی طرف مبذول کی ہے، چند مستشرقین نے اس کے سیاسی خیالات پر بھی بحث کی ہے، جو چیز ہمارے لئے تعجب خیز وہ یہ ہے، کہ انھون نے ابن خلدون کے معاشی خیالات پر بہت ہی کم روشنی ڈالی ہے، مین نے مقدمۂ ابن خلدون مین جو مواد کہ بکھرا ہوا پایا جاتا ہے، اس سے استفادہ کرتے ہوے مصنف کے معاشی خیالات کو یہان ایک منظم پیرایہ مین پیش کرنیکی کوشش کی ہے،

ہماری حیرت کی انتہا نہین رہتی کہ اس مفکر نے بیشتر ایسے خیالات کا اظہار کیا ہے، جو کہ زمانۂ مابعد سے متعلق ہین، نیز اس نے اپنی کتاب مین نظری اور عملی معاشیات کے بہت سارے اہم حقون پر روشنی ڈالی ہے، البتہ اس کے مباحث کی وہی ترتیب نہین ہے، جو کہ آج کل کی معاشی کتابون مین پائی جاتی ہے، ہمین اس سے بھی انکار نہین کہ اوس نے جن مسائل پر بحث کی ہے، وہ معاشیات کے جملہ موضوعات پر حاوی نہین ہین، اس مین کلام نہین کہ ہمارے مفکر نے زیادہ تر عمرانون کی تاریخ کے مطالعہ

---

[1] ابن خلدون ۱۳۳۲-۱۴۰۶ء

سے اپنے نظریون کو اخذ کیا ہے، لیکن اس کے باوجود ہمین اوس کے یہان بہت سی ایسی چیزین مل جاتی ہین جو کلیات کی حیثیت رکھتی ہین، ایک اور چیز جو ہماری توجہ کی محتاج ہے، وہ یہ ہی کہ ابن خلدون اگر ایک طرف قرونِ وسطیٰ کی مدرسیت سے محفوظ رہا، تو دوسری طرف اپنے پیشرون کی مذہبی تنگ نظریون سے آزاد رہا،

جدید تحقیق نے تاریخ کی معاشی تعبیر کے یورپین بانیون پر کافی روشنی ڈالی ہے، لیکن اس سلسلہ مین شاید بہت کم لوگ ابن خلدون کی اہمیت سے واقف ہین، اس کا اصل کمال یہ ہی کہ اس نے افلاطون اور ارسطو کے خیالات کو مانتے ہوئے "انسانی ترقی پر مادی ماحول کے اثرات" کو نظر انداز نہین کیا، ابن خلدون سماجی زندگی کی نفسی بنیادون کو تسلیم کرتا ہے، اور ارسطو کی مشہور کہاوت کو دہراتا ہے، کہ "انسان ایک سماجی حیوان ہے"[1] لیکن ساتھ ہی ساتھ وہ اس امر پر بھی زور دیتا ہے، کہ سماجی زندگی کا آغاز دراصل معاشی احتیاجات کے احساس اور ان کی تکمیل کے سلسلہ مین ہوتا ہے[2]، یعنی روزمرہ کی ضروریات کو پورا کرنے کے لئے اجتماعی جدوجہد زیادہ مؤثر ہوتی ہے،

ابن خلدون سماج کی نفسی اور معاشی بنیادون کا محض ذکر کر دینے پر اکتفا نہین کرتا، سماجی ترقی پر مادی ماحول کے اثرات اس نے تفصیل کے ساتھ واضح کئے ہین، چنانچہ اوس نے یہ ظاہر کیا ہی، کہ تاریخ انسانی کی تشکیل مین آب و ہوا، غذا اور پیشون کا نمایان حصہ رہا ہے، طبعی اور ذہنی خصوصیات مین جو اختلافات پائے جاتے ہین، ان کی توجیہ آب و ہوا اور غذا کے اختلافات سے ہو سکتی ہے[3]، مرفہ الحالی اور افلاس کا اثر نہ صرف طبعی خصوصیات بلکہ ذہنی نشو و نما اور مذہبی نقطۂ نظر پر بھی پڑتا ہی، یہان فوراً ہمارا ذہن بوڈن (Bodin) مانٹسکیو (Montesquieu) اور بکل (Buckle) کے نظریون کی طرف جاتا ہے، جنھون نے اس قسم کے خیالات کو ظاہر کیا ہے، البتہ تاریخی شہادتون کی عدم

---

[1] مقدمہ تاریخ ابن خلدون مترجمہ مولوی عبدالرحمن صاحب حصہ اول ص ۸ [2] ،، ص ۵۵، ۵۹ [3] ،، ص ۱۱۵-۱۲۹

موجودگی مین ہم یقین کے ساتھ یہ نہین تبلا سکتے، کہ مذکورۂ بالا مفکرین نے ابن خلدون سے کس قدر اثرات قبول کئے ہین، لیکن ہمین اتنا تو تسلیم کرنا پڑتا ہی کہ یہان اولیت کا شرف ابن خلدون کو ہی حاصل ہی[1]

قومی خصوصیات کی توجیہ بھی پیشہ ورانہ اختلافات کے ذریعہ کیجا سکتی ہے[2]، کسی ملک کے ادارات کے خط و خال کا دار و مدار ایک بڑی حد تک اس ملک کے مروجہ پیشون پر ہوتا ہے، زرعی معیشت اور بدوی معیشت کے تحت جداگانہ سماجی نظام ہوا کرتے ہین[3]، اخلاقیات اور مذہب پر پیشہ ورانہ اختلافات کا گہرا اثر پڑتا ہی، تاجر کی ذہنیت اور اوس کے اخلاقی تصورات نتیجہ ہین اس کے پیشہ کا، بدوی جس کو ہر قدم پر حیات کی کشمکش اور زندگی کی کٹھن منزلون سے گذرنا پڑتا ہی، بمقابل شہریون کے جو آرام و آسائش کی زندگی بسر کیا کرتے ہین، زیادہ مذہبی ہوتے ہین،

انسانی تمدن مین معاشی عنصر کی اہمیت جتلانے کے بعد ابن خلدون نے ان متعدد مسائل پر روشنی ڈالی ہی جن سے ہمین روزی کمانے کے سلسلہ مین برابر واسطہ پڑتا رہتا ہے، انسان کی زندگی مین احتیاجات اور ان کی تکمیل کے طریقون کا مسئلہ نہایت ہی اہم ہے، یہان معاشی اشیا اور مفت اشیا کے درمیان فرق کا مسئلہ پیدا ہو جاتا ہے، پھر اہمیت کے لحاظ سے معاشی اشیار کے مختلف مدارج ہوتے ہین، مصنف نے ضروریات زندگی کے لئے "بسیط" اور تعیشات کے لئے "مرکب" کی اصطلاح استعمال کی ہے[4]، اس سلسلہ مین اس نے ہماری توجہ ایک اہم چیز کی طرف مبذول کرائی ہی، یعنی جو ملک کہ معاشی لحاظ سے کم ترقی یافتہ ہین وہان لوگ زیادہ تر ضروریاتِ زندگی کی پیدایش مین مصروف رہتے ہین، اس کے بعد تعیشات کی پیدایش کا مرحلہ آتا ہی، مباحث کے اس خاص حصہ کی حد تک مصنف کو ہم پروفیسر پاٹن (Professor Patten

---

[1] ملاحظہ ہو میرا مضمون بعنوان "The social and Political ideas of the - Khaldun -" مطبوعہ انڈین جرنل آف پولٹیکل سائنس، جلد ۲، شمارہ ۲۵ [2] مقدمہ حصہ سوم صفحہ ۵۹، ۶۳

[3] مقدمہ، حصہ اول ص ۱۷۹، ۱۸۰ [4] ،، حصہ سوم ص ۶۳، ۶۵

کا پیشرو قرار دے سکتے ہین جس نے "معیشت عسری" اور "معیشت یسری" مین فرق واضح کیا ہی، نیز ابن خلدون نے شکار، گلہ بانی، زراعت، صنعت و حرفت اور تجارت کو معاشی ارتقا کے مختلف مرحلے قرار دیئے ہین؛[1]

پیدا آوری کے لحاظ سے ہر پیشہ کی اہمیت ضرور ہے، لیکن شکار اور گلہ بانی سے قطع نظر جو کہ تمدن انسانی کے ابتدائی مرحلوں سے متعلق ہین،[2] زراعت بیحد اہم ہی، کچھ تو اس وجہ سے کہ یہ ایک قدیم پیشہ ہی اور کچھ اس وجہ سے بھی کہ یہ زندگی کیلئے ناگزیر ہے، زراعت پر جو مباحث بیان کئے گئے ہین، ان مین مصنف یونان کے معاشی تخیل سے متاثر نظر آتا ہی، لیکن اس کی خوبی یہ ہے کہ زراعت کی اہمیت کو جتلانے کے جوش مین اس نے اس پیشہ کی حدبندیون کو کبھی نظرانداز ہونے نہین دیا ہے، یہ تسلیم کرتا ہی، کہ زمین مین گھٹتی ہوئی زرخیزی کا عمل ہوتا رہتا ہے، اور اس کی تلافی کے لئے وقتاً فوقتاً مصنوعی طریقون کے استعمال کی ضرورت لاحق ہوتی رہتی ہے؛[3]

ابن خلدون نے زمین پر بہت ہی مختصر بحث کی ہی، لیکن محنت سے متعلق تفصیل سے کام لیا ہے اسے آبادی کی اہمیت کا احساس ہے، اور اس نے کثیر آبادی پر زور دیا ہے، اس حد تک اس کے خیالات افلاطون سے مختلف ہین، اور تجارئین کے مماثل ہین، بات یہ ہی کہ افلاطون نے حسب ضرورت مقررہ نقشون کے تحت آبادی کا گھٹنا بڑھانا روا رکھا ہے، اور ابن خلدون خوشحالی اور اضافۂ آبادی مین تعلق قائم کرتا ہی، اور سلطنتون کی ترقی یافتہ صورت مین جو حالات پائے جاتے ہین، ان سے اپنے بیان کی وضاحت کرتا ہے،

شہرون کی ترقی و تنزل مین بھی آبادی کا خاصا حصّہ ہوتا ہے، شہرون کی بنیادین نہ صرف معاشرتی اور سیاسی بلکہ معاشی اسباب پر بھی قائم ہین، اس مین کلام نہین کہ شہرون کے آغاز و نشو و نما

---

۱ مقدمہ حصہ سوم ص ۴۵ ۲ ، حصہ سوم ص ۳ ۳ ، ص ۲۵

اور تہذیب و تمدن کی ترقی مین ایک گونہ متعلق ہے، لیکن شہرون کی بنیاد در اصل محنت کے رسد اور اس پر قابو پانے سے متعلق ہے؛[1] اسی طرح یہان معاشی اور سیاسی مسائل پیدا ہوجاتے ہین، قبل اس کے کہ محنت پر قابو حاصل کیا جائے سیاسی اقتدار کا ہونا ضروری ہے، لیکن اس سلسلہ مین مصنف نے بیگار کے رواج کی مخالفت کی ہے، اور اسے ایک ایسا بدترین ظلم قرار دیا ہی، جو کہ آبادی کی تباہی کا باعث بنتا ہی،[2] ان خیالات کا اظہار کرتے وقت اس کے ذہن مین غالباً یہ چیز موجود تھی، کہ دور قدیم اور قرون وسطیٰ مین شہرون کے بسانے مین بیگار کا خاصا استعمال ہوتا تھا،

پیدایش کی تنظیم کا مسئلہ بھی اسی قدر اہم ہے، جتنا کہ آبادی کا، پیداوار کے نقطۂ نظر سے پیدایش کی تنظیم سے بہتر نتائج پیدا ہوتے ہین، افلاطون نے تقسیم عمل کی سادہ قسمون کی طرف ہماری توجہ مبذول کی تھی، لیکن ابن خلدون نے اوس کے پیچیدہ اقسام پر بحث کی ہے، مختلف پیشون کی خصوصیات اور پھر اوس کے بعد محنت کی تخصیص کے فوائد و نقصانات ظاہر کئے ہین، تخصیص یافتہ محنت کا سب سے بڑا فائدہ یہ ہے کہ کام کرنے والے کی مہارت مین اضافہ ہوتا ہے، لیکن ہمیشہ ایک ہی عمل سے متعلق رہنے کی وجہ سے دوسری صنعتون مین کمال حاصل کرنا مشکل ہوجاتا ہے؛[3] ابن خلدون نے یہ نقص جو ظاہر کیا ہے، اسے اسکے زمانہ کی روشنی مین جانچنا چاہیئے، بات یہ ہی کہ مشین کی ترویج سے پہلے کے زمانہ مین ایک صنعت سے دوسری صنعت مین منتقلی اور فنی تطبیق (Technical Adaptation) کا مسئلہ بہت ہی مشکل تھا، ابن خلدون نے تخصیص کی ایک دوسری شکل کو بھی ظاہر کیا ہی، یعنی جغرافیائی تقسیم عمل، چند صنعتین خاص خاص شہرون سے وابستہ ہوتی ہین، اور انھی مقامات پر ایک عرصۂ دراز تک جاری رہنے کی وجہ سے وہین انکا استحکام ہوجاتا ہے؛[4]

نظریۂ قدر کے متعلق جن خیالات کا اظہار ابن خلدون نے کیا ہے، اس سے پتہ چلتا ہے، کہ اوس نے

---

۱ مقدمہ حصہ سوم صـ ۲ ، حصہ دوم ص ۲۰۴، ۲۰۵ ۳ مقدمہ حصہ سوم ص ۶۹ ۴ ، حصہ سوم صـ ۶۵

بہت سارے ایسے موضوعات پر بحث کی ہے جن کو زمانۂ ما بعد مین اہمیت حاصل ہوئی، اوس نے جو نظریۂ قدر پیش کیا ہے، اوس مین محنت کو مرکزی جگہ دی گئی ہے[۱]، البتہ اس کے اور قرون وسطیٰ کے مفکرین کے نظریہ مین یہ فرق ہے، کہ موخر الذکر مفکرین نے اپنے مباحث مین مناسب قیمت یا واجبی قیمت (Just Price) کے تصور کو شامل کر لینے سے اصلی تنقیحات کو دھندلا بنا دیا ہے، اور پیچیدگیان پیدا کر دی ہین، لیکن ابن خلدون نے ان تمام امور سے اپنے آپ کو محفوظ رکھا ہے،

جہان تک کہ قیمتون کو متاثر کرنے والے اسباب کا تعلق ہے، ابن خلدون نے تین امور کی طرف ہماری توجہ مبذول کی ہے، پہلی چیز تو حکومت کی پالیسی ہے، مثلاً اشیاء پر محصول اندازی کی وجہ سے قیمتون مین اضافہ ہوتا ہے، اس سلسلہ مین مصنف نے بلدی محاصل کو پیش نظر رکھا ہے[۲]، معاشرتی اسباب بھی قیمتون کو متاثر کرتے ہین، مثلاً شہری زمینون اور مکانون کی قیمتون کا سماجی ترقی اور سماجی اسباب کی وجہ سے بڑھ جانا[۳]، ایک اور اہم چیز جو ہے وہ یہ کہ قدرتی اسباب بھی زمین کی قیمت کو متاثر کرتے ہین، زمین کی گھٹتی ہوئی زرخیزی کی وجہ سے جو نقصان ہوتا ہے، اسکی تلافی کرنا یا زرخیزی کو برقرار رکھنے کے لئے مختلف مصنوعی طریقون کو اختیار کرنا پڑتا ہے[۴]، اس سے مصارف مین اضافہ ہو جاتا ہے، اور اس کے نتیجہ مین قیمتین بھی متاثر ہوتی ہین،

اضافۂ قیمت کے اسباب کے ساتھ ساتھ مصنف نے تخمین (Speculatim.) پر بھی بحث کی ہے، اشیاء جو ضروریات زندگی کی حیثیت رکھتی ہین، ان کا ذخیرہ اس نیت سے کرنا کہ کسی آیندہ زمانہ مین انھین بڑھی ہوئی قیمت پر فروخت کیا جائے گا، ایک قسم کا استحصال ہے[۵]، یعنی ضرورتمندون کی حالت سے ناجائز فائدہ اٹھانا ہے، اس مین کلام نہین کہ مصنف کی مخالفت کی حیثیت اخلاقی ہے، لیکن اس کے نزدیک اس مسئلہ کا اخلاقی سے کہین زیادہ اہم معاشی پہلو ہے[۶]، اس کا استدلال یہ ہے، کہ

۱ مقدمہ حصہ سوم ص ۲۴۳ ۲ ،، ص ۲۵ ۳ ،، ص ۲۸ ۴ ،، ص ۲۵ ۵ ،، ص ۷۰ ۶ ،، ص ۶۲

تخمین کی وجہ سے قیمتون مین تغیرات پیدا ہوتے رہتے ہین، ایک غیر یقینی کیفیت رونما ہوتی ہے، اور اس سے کساد بازاری پیدا ہوتی ہے، تاجر، کاشتکار اور صارف تباہ ہو جاتے ہین، ان تمام نقصانات کے پیش نظر مصنف نے تغیر پذیر قیمتون پر ہموار قیمتون کو ترجیح دی ہے،

کساد بازاری کا ایک دوسرا اہم سبب قوت خرید کا ادنیٰ ہونا ہے، اعلیٰ محاصل کی وجہ سے باشندے اپنے روزمرہ مشاغل سے دست بردار ہونے پر مجبور ہو جاتے ہین، اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے، کہ ملک کی پیداوار متاثر ہوتی ہے، اور باشندون کی قوت خرید مین کمی ہو جاتی ہے، حالات مین مزید پیچیدگیان پیدا ہو جاتی ہین، اگر اس کے ساتھ ساتھ سیاسی نااستواری بھی ہو تو سرمایہ کاری کی راہ مین رکاوٹین پیدا ہو جاتی ہین، اور یہ معاشی ترقی کی راہ مین حائل ہوتی ہین، ایک اور وجہ جس کی بنا پر قوت خرید مین کمی ہوتی ہے، وہ یہ ہے کہ سرکاری ملازمین کو کم تنخواہین دی جاتی ہین، اور ان کے پاس صرف کرنے کے لئے بہت کم بچتا ہے[۱]،

جہان تک کہ نظریۂ زر کا تعلق ہے، ابن خلدون کے مباحث مختصر ہین، وہ ارسطو کے مانند یہ تسلیم کرتا ہے کہ زر ذریعۂ مبادلہ بھی ہے اور ذخیرۂ قدر بھی[۲]، اس سلسلہ مین مصنف یہ واضح کرتا ہے کہ سونے اور چاندی کو دنیا بھر مین جو استعمال کیا جاتا ہے، اس کا صرف ایک سبب ہو سکتا ہے، یعنی ان دھاتون کی پائداری، ان کی اہمیت سے بھی یہ کما حقہٗ واقف ہی، اور مصنف کا خیال ہے، کہ ساری معاشی جد وجہد کا مقصد انہی کو حاصل کرنا ہوتا ہے[۳]، اس بنا پر ہم مصنف کو تجاریین کا پیشرو کہہ سکتے ہین، چنانچہ قیمتی دھاتون کے متعلق دونون کے نقطۂ نظر مین مماثلت پائی جاتی ہے، تسکیک کی تاریخ پر بھی تفصیل سے بحث کی گئی ہے، اور کھوٹے سکون کی پالیسی کے نقائص ظاہر کئے گئے ہین[۴]، کھوٹے سکون کی مذمت کی حد تک اس کے خیالات اس کے ہم عصر (Oresme) کے مماثل ہین، جس نے کہ زر کے معاملات مین بادشاہون کے حق مین مداخلت سے انکار کیا تھا، نیز عبد الملک کے اصلاحات مثلاً دار الضرب کا قائم کرنا سکون کی مقدار اور ان کے اوزان پر

۱ مقدمہ حصہ دوم ص ۲۰۰، ۲۰۱ ۲ ،، حصہ سوم ص ۲۳ ۳ ،، حصہ سوم ص ۴۳ ۴ ،، حصہ دوم ص ۱۶۲-۱۶۶

قابو رکھنا، اور پرانے سکون کو واپس لے لینا، ان تمام چیزون کو بیان کیا گیا ہے،

حکومت کے معاشی فرائض پر مصنف نے جو بحث کی ہے، وہ بہت ہی اہم ہے، معاشی خوشحالی کے پیدا کرنے مین حکومت کی جو کچھ بھی اہمیت ہو سکتی ہے، اس سے ابن خلدون خوب واقف ہے، وہ اپنے ہم عصرون کی طرح حکومت کے مسلمہ فرائض مثلاً بیرونی مدافعت اور حدودِ مملکت مین جان اور مال کی حفاظت کو تسلیم کرتا ہے،[1] لیکن وہ اسی پر اکتفا نہین کرتا، بلکہ حکومت کے فرائض کے دائرہ کو اور بھی وسیع بنا دیتا ہے، اسکا کہنا ہے، کہ حکومت کو وہ تمام فرائض اپنے ذمہ لینے چاہئین جن سے ملک کی فلاح و بہبود حاصل ہو سکے، چنانچہ صنعتون کی ترقی مین حصہ لینا حکومت کے فرائض مین شامل ہے،[2] گو ابن خلدون نے اس مسئلہ سے متعلق کچھ زیادہ تفصیلات نہین دی ہین، لیکن اتنا وثوق سے کہا جا سکتا ہے، کہ حکومت کے فرائض کے بارہ مین اس کا نظریہ وہی نہین ہے جو کہ اوس کے ہمعصرون کا تھا، وہ تمام اثرات جنھون نے اوس کے نقطۂ نظر کی تشکیل مین حصہ لیا ہوگا، ان کو واضح کرنا مشکل ہے، بلا شک و شبہہ مملکت کے متعلق ارسطو کے اخلاقی نظریہ اور اسلامی تصورات دونون کا اس پر اثر پڑا ہوگا،

حکومت کے معاشی فرائض مین سے محصول اندازی بہت ہی اہم ہے، چنانچہ اس کا بیان ہے، کہ دراصل حکومت کی بنیادین فوج اور مالیات ہین، جب حکومت کی مالی حالت سقیم ہو جاتی ہے، تو مملکت کو بھی زوال ہونے لگتا ہے،[3] اس نے محصول اندازی کو پیدا آوری کے نقطۂ نظر سے جانچنے کی کوشش کی ہے، ہلکا محصول معاشی جد و جہد مین ممد و معاون ثابت ہوتا ہے، کیونکہ اسکی وجہ سے کاشتکارون کو مزید کاشت کی ترغیب ہوتی ہے،[4] لیکن بھاری محاصل اور نئے نئے محاصل مثلاً محصولِ فروخت محصولِ زائرین کی وہ مخالفت کرتا ہے،[5] محاصل مین اضافہ ہو تو معاشی جد و جہد، بالخصوص زراعت پر برا اثر پڑتا ہے،[6] کاشت کی طرف لوگون کی توجہ کم ہو جاتی ہے، فاقہ کشی، بیماریان اور آبادی مین کمی اسکے نتائج ہوتے ہین، باشندون کی قوتِ خرید مین کمی ہوتی ہے، اور جس مقصد کیلئے محاصل مین اضافہ کیا گیا تھا، وہ پورا نہین ہوتا، یہان اس امر کا لحاظ رکھنا چاہئے کہ اوس نے اپنے

---

[1] مقدمہ حصہ دوم صفحہ ۱۲۰ [2] حصہ سوم صفحہ ... [3] حصہ دوم ص ۲۱۳، ۲۱۴ [4] حصہ دوم صفحہ ۱۹۲ [5] صفحہ ۱۹۰-۱۹۱

زمانہ کے حالات کے پیشِ نظر ان تمام خیالات کا اظہار کیا ہے، اسکے لئے یہ مشکل تھا کہ وہ ایسے اعلیٰ محاصل جو جدید زمانہ مین ملک کی گوناگون ترقیات کے سلسلہ مین عائد کئے جاتے ہین، اُن کو بھی پیشِ نظر رکھتا، اس کے پیشِ نظر جو واقعہ تھا وہ محض یہ تھا کہ مستبد و خودسر بادشاہ اپنے ذاتی ضروریات کی تکمیل کے لئے اعلیٰ محاصل عائد کیا کرتے تھے، لیکن قطع نظر اسکے کہ یہ خیالات تاریخی اہمیت رکھتے ہین، انکا مقابلہ محصول برداشت کرنے کی استطاعت (Taxable Capacity) کے جدید نظریہ سے ہو سکتا ہے،

اس کا خیال ہے کہ تجارتی کاروبار کا قائم کرنا حکومتی فرائض مین شامل نہین ہے،[1] اس نے ایسے طریقہ کی مخالفت کی ہے، رفاہی کاروبار پر حکومتی تسلط کا تصور اس کے ذہن مین نہین آسکتا تھا، جو چیز اس کے ذہن مین تھی وہ یہ تھی، کہ قرونِ وسطیٰ مین بادشاہ ذاتی تجارت کیا کرتے تھے، اور ذاتی نفع اندوزی سے استفادہ کرتے تھے، لہٰذا ابن خلدون کی مخالفت دو اسباب پر مبنی تھی، ایک تو دو غیر مساوی طاقت رکھنے والے فریق یعنی بادشاہ اور رعایا مین مقابلہ کا ہونا، دوسرا اس طریقہ سے باشندون کے خانگی اقدام اور آزادانہ جد و جہد پر برا اثر پڑنا، اور نتیجۃً ملک کی پیداوار کو متاثر کرنا،

ابن خلدون کے خیالات پر کوئی رائے قائم کرنے سے پہلے یہ امر ذہن نشین کر لینا چاہئے کہ اوس نے ان کا اظہار ایک ایسے زمانہ مین کیا تھا، جب کہ سارا یورپ جاگیری نظام، سیاسی نا استواری اور مذہبیت کی زنجیرون مین جکڑا ہوا تھا، ابن خلدون نے اپنی آواز ان تمام قوتون کے خلاف بلند کی تھی، اس نے معاشی استحصال، سیاسی ظلم و ستم اور ذہنی غلامی کی مخالفت کی، اس نے سیاسی استواری اور معاشی ترقی کے مابین تعلق قائم کرنے کی کوشش کی، اس کا حال St. Thomas Aquinas سے بالکل مختلف تھا، جس نے کہ عیسوی اصولون اور ارسطو کے نظریون مین امتزاج پیدا کرنے کی کوشش کی تھی، ابن خلدون کے ساری معاشی تخیل مین کہین بھی ایک ایسا نظام قائم کرنے کی کوشش کا پتہ نہین چلتا جو کہ مذہب اور فلسفہ کی آمیزش پر مبنی ہو،

---

[1] مقدمہ حصہ دوم صفحہ ۱۹۳،

افلاطون

از

جناب خواجہ عبد الحمید صاحب لکچرار فلسفہ گورنمنٹ کالج لاہور

(آل انڈیا ریڈیو لاہور کی اجازت سے)

یونانی زبان مین حکمت کے عاشق زار کو فلسفی کہتے تھے، فلسفی کے لئے اس کا فلسفہ دماغی تعیش کا ایک ذریعہ نہ تھا، بلکہ اس کی زندگی کا پورا پروگرام تھا، یونان کے ان لوگون کے لئے عوام کے طور طریقے، ان کا مذہب، ان کے اخلاق اور ان کے رسوم اپنے اندر کسی قسم کی کشش نہ رکھتے تھے، اپنے علم کی وجہ سے فلسفی عوام کے زمرے سے باہر نکل چکا تھا، اور اسکی سب سے بڑی خواہش یہ تھی کہ زندگی کا ایسا پروگرام مرتب کرے، جس سے اس کے دل و دماغ دونون کو تسکین حاصل ہو، جب کسی یونانی فلسفی کے کارنامے کا جائزہ لینا منظور ہو تو اس حقیقت کو ہرگز نظر انداز نہ کرنا چاہئے،

اب سوال یہ ہے کہ افلاطون نے اس مقصد مین کہان تک کامیابی حاصل کی ہے، کیا اس کا فلسفہ اور اس کی تعلیم بالکل بے حقیقت اور گمراہ کن قیاس آرائی ہے، جیسا کہ بعض لوگون کا خیال ہے؟ یا یہ کہ افلاطونی تعلیم و فلسفہ انسانی دماغ کے بہترین شاہکارون مین سے ہے، جس مین بقول شخصے زندگی کے تمام مسائل پر نہایت سنجیدہ اور محققانہ بحث کی گئی ہے، اور نہایت ٹھوس اور مستقل سچائیان اخذ کی گئی ہین؟

افلاطون کی تعلیمات کا صحیح اندازہ کرنے کے لئے اس کے ماحول اور اس کے زمانہ کے حالات کو ذرا دیکھنا چاہئے اس کے استاذ سقراط کا زمانہ یونان اور بالخصوص ایتھنز کا سنہری زمانہ تھا، علم و فضل کے چرچے

تھے، عقلا کا ایک گروہ جو سفسطی کے نام سے مشہور تھا، خاص طور پر نئے معلومات اور نئے علوم کے پرچار مین مصروف تھا، یہ لوگ بلا کے ذہین تھے، تقریر و تحریر، بحث و تکلم، قانون و رسمیات، غرض انسانیات کی تمام شاخون مین ان کو دسترس تھی، لیکن ان سفسطیون مین وہ خلوص و عشق نہ تھا، جو فلسفی کی خاص نشانی تھی، ان مین سے اکثر لوگ حد درجے کے دنیا دار تھے، اور سچائی سے زیادہ فیس کا ان کو لالچ تھا، ان لوگون کی وجہ سے ایتھنز مین ایک کہرام سا برپا ہو گیا، پرانی باتین، پرانی رسمین، پرانے اخلاق، پرانا طرز حکومت، پرانا مذہب، غرض ہر پرانی چیز چونکہ پرانی تھی، اس لئے ان چرب زبانون کے نزدیک غلط اور دھوکا تھی، ان کی تنقید مین صرف تخریب تھی، اور ان کی تعلیم کے دو اہم اصول یونانی سوسائٹی اور سیاست کے لئے سخت خطرناک تھے،

ان کا پہلا اصول یہ تھا، کہ (۱) عدل ایک بے حقیقت شے ہے جسے عدل کہا جاتا ہے، وہ یا تو اس لئے تراشا گیا تھا، کہ طاقتور لوگ اپنی ہتھیائی ہوئی دولت کو کمزورون کے ہجوم سے بچا سکین اور یا عدل اور اس کے قوانین اس لئے بنائے گئے تھے، کہ طاقتورون کی دستبرد سے کمزورون کو بچایا جائے، دونون حالتون مین عدل فطری چیز نہین ہے، بلکہ انسانی سوسائٹی کی اپنی اختراع ہے، یعنی عدل ایک ڈھکوسلا ہے، اور فطرت انسانی کے بالکل خلاف ہے،

(۲) پھر یہ سفسطی انفرادیت کے علم بردار تھے، اس سے پہلے یونان مین ریاست کو فطری اور خدائی دستور سمجھا جاتا تھا، لیکن سفسطی کہتا تھا کہ ریاست ایک بالکل غیر فطری چیز ہے، اور اس کا آغاز ایک سماجی معاہدہ کی صورت مین ہوا تھا، اس سماجی معاہدہ کا مقصد یہ تھا، کہ لوگ اپنے آپ کو ایک دوسرے کی دست برد سے بچا سکین، فرد کے لئے سب سے بہتر حالت یہ ہے کہ وہ دوسرون پر خوب جبر کرے، اور خود ان کی دستبرد سے بچا رہے، یعنی خوب لوٹے لیکن خود نہ لٹے، سب سے بری حالت یہ ہے کہ وہ دوسرون کے ظلم کا تختۂ مشق بنا رہے اور خود اس مین اتنی قوت نہ ہو کہ اینٹ کا جواب پتھر سے دے سکے، اس لئے فرد کو چار و ناچار سماجی معاہدہ

کے ذریعہ سے ایک گونہ عافیت حاصل کرنا پڑی، یہ ہو سیاسی عدل کی بنیاد،

سقراط اور افلاطون دونون ان اصولون کو غلط جانتے تھے، اور ان کی شکست کے بغیر حکمت و تمدن کی ترقی ناممکن سمجھتے تھے، مثلاً افلاطون نہایت آسانی سے ان اصولون کو یون رد کرتا ہے، اول تو یہ دعویٰ ہی غلط ہے، کہ فرد اور سماج مین تضاد ہے، فرد ہمیشہ ایک چھوٹی سی سوسائٹی یعنی کنبہ مین پیدا ہوتا ہو اور یہ کنبہ دوسرے کنبون سے منسلک ہوتا ہو، کنبون کے ایسے مجموعون سے سماج بنتا ہے، فرد محض ایک ناممکن چیز ہے، پھر یہ سماجی معاہدہ جس کا سفسطی باربار ذکر کرتا ہے، ہے کیا چیز؟ آزاد افراد نے معاہدہ کی ٹھانی کب! بات یہ ہو کہ ایسے آزاد انسانون کا آپس مین مل بیٹھنا جو ایک دوسرے سے بالکل وحشت رکھتے ہون، ناممکنات مین سے ہے، اس سے ثابت ہوا کہ سماجی معاہدہ کا تخیل ہی غلط ہے،

افلاطون نے ان سفسطی اصولون کو رد کرکے یہ نتیجہ نہین نکالا، کہ پرانے نظریے اور طور طریقے صحیح ثابت ہوئے، وہ اچھی طرح جانتا تھا، کہ یونانی سیاست و اخلاق کی عافیت اس مین ہی، کہ صحیح اصول دریافت کئے جائین، اور صحیح نصب العین عوام کے سامنے پیش کیا جائے، اگر ریاست کا کاروبار برے طریقے پر چلیگا، تو فرد و قوم دونون تباہ ہون گے، عدل کے بغیر نہ ریاست کا وجود ممکن ہے، اور نہ اخلاق کا، اسی لئے یہ مسئلہ افلاطونی فلسفہ مین خاص اہمیت رکھتا ہے،

جب کنبون کے مجموعے سے ایک مختصر سا قبیلہ بن جاتا ہے، تو عمرانی زندگی بھی شروع ہو جاتی ہی، لیکن شروع شروع مین شخص، ہر کنبے اور ہر قبیلے کے لئے صرف ایک کام ہوتا ہے، یعنی خوراک حاصل کرنا، رہائش کا انتظام اور بیوی بچون کی نگہداشت، وہ تقسیمِ کار جس کے بغیر تمدن ناممکن ہے، بعد مین آتی ہے، شروع مین تمامتر توجہ اپنی اور اپنے کنبے کی شکم پروری ہی پر صرف ہوتی ہے، افلاطون اس ادنی درجہ کی سوسائٹی کو تمدن کا درجہ نہین دیتا، اسے وہ سورون کی جماعت کہتا ہے، تقسیم کار اس وقت ہوتی ہے جب قبیلہ بڑھ کر ایک ملت کی شکل اختیار کرتا ہے، اس وقت دولت جمع ہونا شروع ہوتی ہے، اور چند ایسے

لوگون کی ضرورت محسوس ہوتی ہو، جو عوام کو طاقتور لیڈرون اور غیر اقوام کی دست برد سے بچا سکین، ملت کے افراد مختلف گروہون مین بٹ جاتے ہین، کوئی حاکم بنتا ہے کوئی رعیت، کوئی آقا، کوئی غلام، لیکن جلد ہی ایسی ریاستون مین عمرانی بیماریان ظاہر ہو جاتی ہین، اسکی وجہ یہ ہوتی ہو کہ ان ریاستون کے ارتقا مین کوئی خاص اصول کارگر نہین ہوتے،

اب یہ عمرانی بیماریان کیسے دور کیجائین؟ افلاطون ہمین ایک معیاری ریاست کا نقشہ تیار کرکے دیتا ہی، ریاست مین سب سے زیادہ تعداد ان لوگون کی ہوتی ہے، جو محض ضروریاتِ زندگی کو پیدا کرتے ہین، مثلاً پیشہ ور لوگ، کاریگر، کاشتکار، یہ لوگ نہ حکومت کے قابل ہوتے ہین، اور نہ جنگ کے، نہ ان سے دماغی کام ہو سکتا ہے، اور نہ اُن سے یہ توقع کی جا سکتی ہے، کہ وہ اپنی محنت کسی ایسے کام مین خوشی سے صرف کردین گے، جس سے انھین کوئی ذاتی نفع حاصل نہ ہو، اگر ان لوگون مین کوئی ایسا شخص حسنِ اتفاق سے نکل بھی آئے، تو اُسے فوراً اس جماعت سے علحدہ کر لینا چاہئے، اس جماعت کے افراد کے لئے سب سے بڑی خوبی یہ ہے، کہ کھانے پینے مین، اٹھنے بیٹھنے مین غرض اپنے ہر کام مین اعتدال برتین،

عوام کو چھوڑ کر جو لوگ ریاست مین ہون گے، وہ دو درجون مین بٹ سکتے ہین، کچھ لوگ ایسے ہون گے جن مین ہمت و جرأت کا مادہ عوام سے بہت زیادہ ہوگا، مال و زر کی ان کو خواہش نہ ہوگی، بلکہ وہ ناموس کے خواہشمند ہون گے، جرأت و ہمت ان کا خاصہ ہے، یہی لوگ ریاست کے جری سپاہی بنین گے، جو اُسے بیرونی اور اندرونی دشمنون سے بچائین گے، ان لوگون کی خاص خوبی شجاعت ہوگی، کچھ لوگ ایسے بھی ہون گے جن مین اعتدالِ مزاج اور شجاعت کے علاوہ ایک اور خوبی عقل کی ہوگی، فہم و سنجیدگی ان کا خاصہ ہے، یہی لوگ ریاست کے صحیح پیشوا اور حاکم بن سکتے ہین، اور فلسفہ انہی پیشواؤن کا حق ہے،

جس ریاست مین عوام معتدل مزاج، سپاہی شجاع اور پیشوا عاقل ہون گے، وہ ریاست صحیح معنون مین بہترین ہوگی، اور جب تک ایسی ریاست سچ مچ کی دنیا مین نہ جائیگی، دنیا سے بدعملی و بداخلاقی، ظلم وستم بے انصافی اور افسردگی بھی دور نہ ہوگی، صرف اسی معیاری ریاست مین عدل ہوگا،
(چنانچہ افلاطونی زبان مین سیاسی عدل' سے مراد یہ ہے، کہ عوام مین اعتدال ہو، سپاہی شجاع ہون پیشوا عاقل ہون، اور ریاست کے یہ تینون طبقے اپنے اپنے کامون مین مصروف رہین،)

افلاطون کہتا ہے کہ فرد کو جلی حروف مین لکھو، تو اس کا نام ریاست ہے، ریاست کو چھوٹے حروف مین لکھو تو اس کا نام فرد ہے، اس لئے جیسے ریاست کی بہترین حالت عدل ہی، اسی طرح فرد کی بہترین حالت بھی عدل ہے، نفسِ انسانی کیا ہے؟ افلاطون کہتا ہے کہ پہلے وحشی جانورون کا ایک گروہ تصور کرو، ان پر ایک سردار شیر بٹھادو، پھر اس شیر کے اوپر انسان کا سر جوڑ دو، یہ ہے، نفسِ انسانی، وحشی جانور کیا ہوئے؟ یہی ہین ہمارے نفسِ امارہ کی بے لگام خواہشات، شیر سے مراد کیا ہے؟ جرأت وہمت جو انسانی دل کا خاصہ ہے، انسان کا سر کس چیز کی دلیل ہے،؟ عقل کی، جس سے انسان انسان بنتا ہے، جرأت کے شیر کی مدد سے نفسِ امارہ کی خواہشات کو رام کرو، اور شیر کی لگام عقلِ انسانی کے ہاتھ مین دو، یہ ہے عدل، بہترین انسان وہ ہے جو اپنی خواہشات کو حد اعتدال مین رکھے، صحیح معنون مین دلیر ہو، اور عقل کو اپنا رہبر بنائے' جو انسان اپنے نفس کی تعمیر اس طرح کرتا ہے، وہ مردِ عادل ہی' اگر فرد عقل کو اپنا رہبر بناتا ہے، تو وہ عادل ہے، اگر ریاست عقلا کو اپنا پیشوا بناتی ہے، تو وہ عادل ہی، گویا عقل کی پیشوائی دلیل ہے عدل کی،

افلاطون کا قول ہی کہ جب تک حکمار بادشاہ نہ ہون گے یا بادشاہ حکیم نہ بن جائین گے، انسانی ریاست کی بیماریان دور نہ ہون گی، اس قول پر نکتہ چینون نے بہت کچھ لے دے کی ہے، سرسری نظر سے دیکھا جائے، تو حکیم وفلسفی تو ایک خیالی دنیا کا پہلوان ہوتا ہے، ایسے شخص کے ہاتھ مین ریاست

کی لگام دیدینا دنیا پر انتہائی ظلم ہے فلسفی تو اپنے گھر کی گتھیان نہین سلجھا سکتا، وہ ریاست کے عقدے کیسے حل کرے گا، یہان ہمین دیکھنا چاہئے کہ افلاطون کی مراد فلسفی یا حکیم سے کیا ہے؟ اس کا اندازہ آپ اُس تعلیمی پروگرام سے کرسکین گے، جو اس نے ریاست کے پیشواؤن کے لئے مرتب کیا ہے،

افلاطونی تعلیم پیدائش سے شروع ہوتی ہے، اور موت کے ساتھ ہی ختم ہوتی ہے لیکن اس تعلیمی پروگرام کو وہ تین بڑے حصون مین تقسیم کرتا ہے، پہلا حصہ پیدائش سے شروع ہوکر اکیس سال کی عمر مین ختم ہوتا ہے، دوسرا اکیسوین سال سے تیس سال تک اور تیسرا اس کے بعد،

پہلے بیس سالون مین موسیقی اور جسمانی ورزش کی تعلیم ہوگی، موسیقی سے قوتِ متخیلہ کی تربیت مراد ہے یعنی ایسی فنی تربیت جس سے بچّہ کے دل مین حُسن کا صحیح خیال پیدا ہو جائے، یہان تک کہ وہ ہر کام ہر چیز ہر خیال اور ہر بات مین حُسن کا طالب بن جائے، گویا موسیقی سے روح کی تربیت منظور ہے، اسی طرح جسمانی ورزش سے جسم کی تربیت مراد ہے، اس عرصہ مین طلبہ کو علم وحکمت سے کوئی واقفیت نہ ہوگی، وہ صرف قیاس وگمان کے درجہ مین رہین گے، یعنی علم وجہل کے بین بین، جہل کے درجہ سے بچہ اب نکل چکا ہی، لیکن ابھی علم کی منزل سے دور ہے، اس منزل تک پہونچنے کے لئے پروگرام کا دوسرا دور ہے، جو بیسوین سال مین شروع ہوتا ہے،

بیس سال کی عمر کے بعد ایک کڑا امتحان ہونا چاہئے، اور صرف بہترین طلبہ کو اعلیٰ تعلیم کے لئے چُننا چاہئے، چُنے ہوئے نوجوانون کو دس سال تک سائنس کی تعلیم دیجائیگی، سائنس سے مراد تصورات اور قوانین کا علم ہے، مثلاً بوجھل چیزین زمین پر گرتی ہین سمندر مین مدوجزر ہوتا ہی چاند زمین کے گرد گھومتا ہے، یہ چند حوادث ہین جو بے جوڑ سے نظر آتے ہین، لیکن جب ہم کششِ ثقل کا خیال کرتے ہین تو یہ قانون ان مختلف حوادث کو ایک ہی لڑی مین پرو دیتا ہے، حوادث کے مطالعہ سے بنیادی تصورات اور قوانین تک پہنچنا یہ ہی افلاطون کے نزدیک سائنس کا کام، تیس سال کی عمر تک یہ تعلیم جاری رہے گی، اس تعلیم کے ساتھ

ساتھ یہ نوجوان ریاست مین کچھ عملی کام بھی کرتے رہین گے، اوران کی علمی اوعملی تربیت ساتھ ساتھ جاری رہیگی، اس کے بعد پھر ایک کڑا امتحان ہوگا، اس مین صرف بہترین نوجوان تعلیم کے آخری درجہ کے لئے چُنے جائین گے، یہ منتخب جوان بعد مین پیشوا بنین گے، جو لوگ اس دوسرے درجہ مین رہ جائین گے، وہ ریاست کے سپاہی بنین گے،

اب پانچ سال کے لئے یہ نوجوان پیشوا ریاست کی عملی خدمت سے ہٹ جائین گے، اور اس عرصہ مین انھین فلسفہ کی تعلیم دیجائے گی، فلسفہ سے افلاطون کی مراد خیر اعلیٰ کا علم ہے، اور خیر اعلیٰ سے مراد وہ بنیادی تصور اور وہ اعلیٰ حقیقت ہے، جو سائنس کی کنجی اور حوادث کی بھول بھلیاں کا راز ہے، خیر اعلیٰ کے اس علم یعنی فلسفہ کے متعلق ابھی کچھ اور عرض کیا جائے گا، اس وقت صرف یہ بیان کرنا ہے، کہ پنتیس سال کی عمر مین یہ پیشوا پھر عملی دنیا مین آئین گے، اور پندرہ سال تک ریاست کی عملی خدمت اور بالخصوص جنگ کے کامون مین مصروف رہین گے، پچاس سال کی عمر مین تعلیم کا یہ تیسرا دور پورا ہوگا، اب یہ لوگ ریاست کے پیشوا اور حاکم ہون گے، اوران کے ذمہ صرف دو کام ہون گے، ریاست کا انتظام اور خیر اعلیٰ کی جستجو،

اس سلسلہ مین افلاطون ان پیشواؤن اور سپاہیون کے لئے ایک اشتراکی طریقۂ زندگی پیش کرتا ہے، پیشواؤن کے لئے دو چیزین حرام محض ہین، یعنی خانگی زندگی اور ذاتی جائداد، ان کی سب ضروریات زندگی مشترک ہون گی، وہ خاص خاص موسمون مین عارضی شادیان کرسکین گے، لیکن بچے پیدا ہوتے ہی ریاست کی نگرانی مین آجائین گے، تاکہ ان کے والدین انھین بعد مین پہچان نہ سکین، مرد اور عورت دونون پیشوا ہوسکتے ہین، اور تمام پیشوا مل کر ایک کنبہ بنین گے، افلاطون کا عقیدہ تھا، کہ جہان ریاست کے حکام کو ذاتی جائداد اور خانگی زندگی کی لو لگی، فوراً ہی ریاست کے انتظام مین خلل آیا،

الغرض پیشوا کی زندگی اشتراکی ہوگی، اس کے روزمرہ کے فرائض کیا ہون گے، ؟ وہ ریاست کے کامون کی نگرانی کرے گا، پیشواؤن اور سپاہیون کے اعلیٰ معیار زندگی کو گرنے نہ دیگا، نوجوانون کی تعلیم کا اہتمام کرے گا، تعلیمی اور فنی معاملات مین بدعتون کو روکے گا، پیشہ ور اور کاریگر جماعت مین افلاس

اور عیش پرستی کو روکے گا، اور خیر اعلیٰ کے متعلق اپنا علم بڑھاتا جائے گا، یہ خیر اعلیٰ کیا ہے ؟ اوس کا علم کیا ہے ؟ ایک مثال سے بات سمجھی جاسکتی ہے،

دنیا مین لاکھون کتابین ہین، ہر ایک کو ہم کتاب کا نام کیون دیتے ہین، صرف اس لئے کہ ان سب مین چند خاصیتین مشترک ہین، یہ خاصیتین کتاب کا تصور کہلاتی ہین، اس تصور کا تصور درحقیقت کتاب کی جان ہے، افلاطون کہتا ہے کہ ہر وہ کتاب جو ہم دنیا مین دیکھتے ہین نقل ومثال ہے اس ایک حقیقت کی جو تصور کتاب ہے، کتاب کا یہ تصور ہمارے خیال کی اختراع نہین ہے، بلکہ ایک ایسی دنیا مین موجود ہے، جو اس عالم رنگ و بو سے اعلیٰ و ارفع ہے، ہمارے حواس صرف ظاہر کی دنیا تک محدود ہین، عقل ظاہر کا پردہ چاک کرکے تصورات کی دنیا مین پہنچتی ہے، اور ہر چیز کی اصل کو پاتی ہے، حکمت اس تصوراتی دنیا کے تفکر کا نام ہے، تصورات کی دنیا مین بھی حقیقت کے درجے ہین، عقل ہمین بتاتی ہے، کہ سب سے اہم تصور وہ ہے، جسے خیر اعلیٰ کا نام دیا جاتا ہے، اعتدال، شجاعت، عقل، عدل، سب نیکیان ہین، یعنی خیر اعلیٰ کی قسمین ہین، یہ خیر اعلیٰ ہر زندگی کا نصب العین ہر نیکی کا منبع، ہر اچھائی کا محرک اور ہر تصور کی جان ہے، خیر اعلیٰ تصورات کی دنیا کا خورشید ہے، اس کا ایک رُخ حُسن ہے، دوسرا حق، اور حسن وحق وخیر کا سرچشمہ خدا ہے،

افلاطونی ریاست کا حکیم پیشوا اس روحانی تصور مین مستغرق ہے، لیکن وہ راہب نہین ہے جو دنیا سے الگ ہوکر خدا کے دھیان مین مصروف ہے، وہ آزمودہ کار ہے، مرد میدان ہے، فکر و عمل کی دنیا کا دھنی ہے، خلقِ خدا کا پیشوا ہے، اور اسی کے ہاتھ مین ریاست کی باگ ڈور صرف اس لئے دی گئی ہے، کہ وہ بہترین خلائق ہے، اور اس کام کا اہل ہے، اسی لئے افلاطون کہتا ہے، کہ عمرانی زندگی کی بیماریان ہرگز دور نہ ہون گی، جب تک بادشاہ حکیم نہ ہونگے یا حکیم بادشاہ نہ بنین گے،

اب آپ اندازہ لگا سکتے ہین، کہ افلاطون محض ایک گمراہ کن مفکر تھا، یا انسان کے بہترین محسنون مین اس کا شمار ہونا چاہئے، شاید آپ کے دل مین یہ خیال آئے کہ افلاطون کے یہ نظریے تو بہت دلکش ہین، لیکن ہین وہ صرف نظریے ان کا عملی دنیا سے کیا کام؟ اس ضمن مین یہ یاد رکھنا چاہئے، کہ اس کی ایکاڈیمی مین نہ صرف پچاس سال تک سیاست واخلاق کے ان پیچیدہ مسائل پر غور وخوض ہوتا رہا، بلکہ اس نے کئی آزمودہ کار سیاست دان بھی پیدا کئے، جن کی خدمات یونان کی بعض ریاستون نے اُس سے مستعار لین،

ابنِ رشد

مشہور مسلمان اندلسی حکیم جو مسلمانون مین ارسطو کے فلسفہ کا بہترین شارح سمجھا جاتا ہے، اور جس کی تصنیفات مدتون تک یورپ کی یونیورسٹیون مین پڑھائی جاتی تھین، اس کے سوانح اور فلسفہ پر تبصرہ، اور اسی ضمن مین مسلمانون کے علم کلام و فلسفہ پر بھی ریویو اور یورپ مین اسلامی علوم کی اشاعت کی تاریخ اور فلسفۂ جدیدہ و قدیمہ کا موازنہ بھی آگیا ہے، ابنِ رشد کے متعلق اتنا بڑا ذخیرۂ معلومات کسی مشرقی زبان مین کیا، مغربی زبان مین بھی نہین مل سکتا،

ضخامت ۲۰۹ صفحے، قیمت ے ر

فہم انسانی

ڈیوڈ ہیوم کی مشہور کتاب "ہیومن انڈرسٹینڈنگ" کا ترجمہ اور اس کے مختصر حالات کے ساتھ اس کے خیالات فلسفہ پر بحث و تبصرہ حجم ۲۲۰ صفحے، قیمت عہ

"مینیجر"

تلخیص و تبصرہ

مرنجان مرنج یا بھلا مانس

مُرنجان مرنج کسے کہتے ہین؟ وہ دوسرے لوگون سے کن باتون مین ممتاز ہوتا ہی؟ ایسے شخص کے متعلق آپ ذرا سوچین تو چند باتین فوراً ذہن مین آئین گی، مثلاً ایسا شخص خوش مزاج ہوتا ہے، ہنس مکھ ہوتا ہی، بات بات پر بگڑتا نہین، اگر آپ اُسے کوئی چبھتی ہوئی بات کہہ بھی دین تو وہ پی جاتا ہی، پھر وہ حتی المقدور کسی سے لڑائی جھگڑا مول نہین لیتا، اگر لڑائی جھگڑے سے بچنے کے لئے اُسے کوئی نقصان بھی اٹھانا پڑے تو وہ اُسے برداشت کرلیتا ہے، اُس کی خواہش ہوتی ہے، کہ زندگی کے دن خوش مزاجی اور خندہ پیشانی سے گذر جائین، اُس کی طبیعت کی افتاد "مُرنجان مرنج" کی سی ہوتی ہے، اس لحاظ سے وہ کچھ کچھ اقبال کے قلندر سے ملتا ہے، جو غمِ زندگی کو "سمِ زندگی" تصور کرتا ہی، اور حتی المقدور اس سمِ غم سے بچتا ہی، مگر ہم اسے قلندر نہین کہہ سکتے، کیونکہ "قلندر" کا طریقۂ زندگی اپنے اندر ایک قسم کی جسارت رکھتا ہی، اور ہمارا مرنجان مرنج دوست اس جسارت کے قابل ہی نہین، وہ جانتا ہی، کہ دنیا داری کے دھندے ضروری ہین، اوران کے بغیر چارہ نہین، وہ اپنے کام کاج سے، کاروبار سے، بیوی بچون کی نگہداشت سے گریز نہین کرتا، وہ یہ سب کچھ کرتا ہے، لیکن اُس کے دل مین یہ خیال بھی ہوتا ہی کہ اس دردسر کو اور کیون بڑھاؤن، مسافر گاڑی کے ڈبہ مین جہان ستر آدمیون کی جگہ ہی، وہان پورے ایک سو تین جمع ہین، ہمین کھڑا ہی رہنا پڑے گا، تو کیا یہ حماقت نہ ہوگی کہ

ایسی حالت مین ہم پڑوسیون سے جھگڑا مول لیکر اپنی کلفت کو اور بڑھائین ؟

پھر ہمارا مرنجان مرنج دوست بالعموم لوگون کی نیکیون کو دیکھتا ہی، ان کی برائیون سے چشم پوشی کرتا ہی، وہ دوسرون کے نقائص کی تلاش مین نہین رہتا، نہ وہ ہر بات پر شک کرتا ہے، بعض لوگون کو دوسرون کی عیب جوئی کا مرض ہوتا ہے، اُن سے کوئی نیکی کیجئے، وہ یہی سمجھین گے، کہ اس مین بھی کوئی فریب چھپا ہی، ہمارا بھلا مانس اس قسم کی عیب جوئی کو برا جانتا ہی،

مرنجان مرنج انسان کی تین خوبیان ابھی بیان کی گئی ہین، وہ خوش مزاج ہے، لڑائی جھگڑون سے بچنے کے لئے نقصان بھی برداشت کرلیتا ہی، اور عیب جو اور بدبین نہین ہے، اب سوال یہ ہی کہ یہ تین خوبیان اوس نے سیکھی ہین، یا اس کی طبیعت کی افتاد ہی کچھ ایسی ہے، کیا اس کی بھلائی اخلاق کا آموختہ ہے، یا فطرت کا عطیہ ؟ کیا ہم کسی طریقہ، تعلیم و تربیت سے ہر بچہ کی طبیعت کو اس طرح ڈھال سکتے ہین، کہ وہ جوان ہوکر مرنجان مرنج، ثابت ہو ؟ نفسیاتی نقطہ، نظر سے اس سوال کا جواب نفی مین ہوگا، تعلیم و تربیت سے بچہ کو خوش اخلاق بنایا جاسکتا ہے، خوش مزاج نہین، خوش مزاجی جو مرنجان مرنج شخص کی خاص نشانی ہے، فطری چیز ہے، جس کو اچھی تربیت چمکا سکتی ہے، لیکن پیدا نہین کرسکتی،

مرنجان مرنج جنس انسان کی ایک مستقل نوع ہے، اور یہ کوئی غیر معمولی بات نہین ہی حیوانات کی ہر نوع مین افراد دو گروہون مین بٹ سکتے ہین، بعض فطرۃً اور نسبتہً زیادہ لڑاکے اور پیش پیش رہنے والے ہوتے ہین، اور بعض شرمیلے ہوتے ہین، نسبتہً حلیم الطبع اور اپنے ساتھیون کی سرداری کے ناقابل، بھلے مانس یا مرنجان مرنج لوگ اس دوسری قسم کے انسان ہین، ان کی طبیعت انھین آگے بڑھنے نہین دیتی، اور چونکہ آگے بڑھنے کے لئے لڑائی جھگڑے کی ضرورت ہوتی ہے، وہ اس سے سخت متنفر ہو جاتے ہین، حتی کہ ایسے موقعون پر بھی لڑنے سے گریز کرتے ہین، جہان یہ عمل اخلاق کے

مین مطابق ہوتا ہے، جیسا کہ ابھی عرض کیا گیا تھا، خوش مزاجی اور خوش اخلاقی مین فرق ہے، خوش مزاجی فطری خاصیت اور خوش اخلاقی کسبی صفت ہی،

اگر مرنجان مرنجی کا یہ تجزیہ صحیح ہی، تو ایک نتیجہ لازم آتا ہے کہ ایسے شخص کی خوش مزاجی اولاً خود اسکی اپنی تسکین کے لئے ہوتی ہے، نہ کہ دوسرون کی تسکین کے لئے، یہ صحیح ہے کہ اس کی خوش مزاجی سے دوسرون کو فائدہ پہونچتا ہے، لیکن یہ بھلا مانس اس لئے خوش مزاج نہین ہوتا، کہ اس سے دوسرون کی زندگی کے چند لمحے اچھے گذر جائین گے، اگر اس کے دل مین یہ خیال بھی موجود ہے، تو وہ بھلا مانس بھی ہے اور خوش اخلاق بھی، ہر بھلے مانس کے دل مین یہ خیال موجود نہین ہوتا کہ وہ خوش مزاج ہے کیونکہ اس کی طبیعت کی افتاد ہی کچھ ایسی ہی،

زندگی کے کارزار مین مرنجان مرنج انسان کا کیا درجہ ہے ؟ کیا اسکی ہستی و نیستی برابر ہے ؟ کیا اس کی موجودگی انسانی فلاح کے لئے ضروری ہے، ؟ وہ نہ ہو تو اس کے دوستون اور آشناؤن کو کیا نقصان پہونچے گا ؟ ان سوالون کا جواب آپ آسانی سے دیکھتے ہین، صرف ایک لمحہ کیلئے دل مین سوچئے، اگر میرا مرنجان مرنج دوست زندہ نہ ہو تو مین کیا کرون گا، مین جب سخت پریشان ہوتا ہون تو اوس کے پاس جاتا ہون، اور گھنٹہ دو گھنٹے اس کے کان کھاتا ہون، وہ مسکراتا ہے، میری داستان سنتا ہے، دلاسا دیتا ہے، چائے پانی سے میرا رنج دور کرتا ہے، میرا غصہ ڈھنڈا کرتا ہے، اپنا کام چھوڑ کر بیٹھ جاتا ہے، مین نے کبھی سوچا تک نہین ہے کہ مین اوس کا وقت ضائع کر رہا ہون، وہ خندہ پیشانی سے میری سنتا ہے، دوسرے دوستون کی سنتا ہے، حتی المقدور ہمارے جھگڑے چکاتا ہے، اپنی تکلیف کا وہ بہت کم ذکر کرتا ہی، اگر شکایت بھی کرتا ہے، تو دبی زبان سے اور عذر خواہانہ انداز سے، دشمن کو بھی اس سے کبھی تکلیف نہین پہونچی، وہ مرنجان مرنج ہے، ہر کس و ناکس کا خیر خواہ ہے، بازار سے گذرتا ہے تو کسی کو

سلام کہتا ہے، اور کسی کو آداب عرض، کسی کی مزاج پرسی کرتا ہے، اور کسی سے اس کے گھر بار کی خیر خیریت دریافت کرتا ہے، کسی کو دعا دیتا ہے، کسی سے دعا لیتا ہے، کہین ہنستا ہے، کہین مسکراتا ہے، غرض اس طرح خندہ پیشانی سے یہ بھلا آدمی زندگی کے بازار سے گذر جاتا ہے، ایسے لوگ دنیا مین موجود نہ ہون تو زندگی دو بھر ہو جائے، اور حریفون مین مصالحت کرانے والا کوئی نہ ملے،

لیکن سچ یہ ہے کہ ایسے شخص کی قدر نہین ہوتی، ہر شخص اس سے فائدہ اٹھاتا ہے، لیکن اُسو نقصان پہنچاتا ہے، کوئی اوس کے کان کھا کر اور اس کا وقت ضائع کرکے اوسے نقصان پہنچاتا ہے، کوئی اس کی کم آزاری کو دیکھ کر اوس کی تکلیف کے درپے ہے، کوئی اُسے منافق کہتا ہے، محض اس لئے کہ وہ ہر شخص سے مسکرا کر ملتا ہے، کوئی اوس کے صبر و تحمل کا ناجائز فائدہ اٹھاتا ہے، اور کوئی اُسے احمق کہتا ہے، کیونکہ وہ دوسرون کے ہاتھون اپنا نقصان برداشت کر لیتا ہے،

شاید کارلایل نے تمام انسانون کو دو گروہون مین بانٹا تھا، کچھ بدمعاش ہین اور باقی احمق، بدمعاشون کی گذر احمقون پر ہوتی ہے، اب ہمارا بھلا مانس دوست بدمعاشون کی فہرست مین تو شامل ہو نہین سکتا، اس لئے لوگ اسے احمق تصور کرتے ہین، یہ بے انصافی ہے، اگر عقل انسان کو اس لئے دی گئی ہے، کہ وہ اپنی زندگی کے دن چین و سکون سے گذار دے تو ماننا پڑے گا، کہ مرنجان مرنج انسان سب سے زیادہ کامیاب حکیم ہے، کہ وہ امن و شانتی کا گر پا گیا ہے، ہان اگر زندگی کا مقصد چین و سکون سے کوئی زیادہ اچھی حالت ہے، تو ہمارے بھلے مانس کیلئے ضروری ہے، کہ اپنی خوش طبعی کو خوش اخلاقی کے اعلیٰ درجہ تک پہنچا دے لیکن ہر حال مین وہ بدمعاش سے بہتر ہے، بھلے مانس کی سادگی بدمعاش کے فریب کے جالون کو بالآخر کاٹ کھائیگی، اس لئے بھلے مانسون کو گھبرانا نہ چاہئے، جیت ان کی ہے،

بھلے مانس کی دو خوبیان ایسی ہین، کہ انھین کسی حد تک سیکھا جا سکتا ہے، خوش طبعی انسان کے

اختیار مین نہین ہے، لیکن صبر و تحمل یعنی دوسرون کی خاطر نقصان برداشت کر لینا، اور دوسرون کی عیب جوئی سے پرہیز کرنا، یہ دو صفتین سیکھی جا سکتی ہین، اور ان کا سیکھنا ہر انسان کا فرض ہے، ان خوبیون کے بغیر دنیا کے کام چل نہیں سکتے، یہی وجہ ہے کہ انسان کے بہترین پیشواؤن نے ان پر بہت زور دیا ہے، ہمارا مرنجان مرنج دوست اس لحاظ سے خوش قسمت ہے، کیونکہ اس کی طبیعت پہلے ہی سے اس طرف مائل ہوتی ہے، اور جون جون اس کا تجربہ وسیع ہوتا جاتا ہے، اُسے اپنی ان خوبیون کی اہمیت اور قدر کا احساس بھی ہوتا جاتا ہے، لیکن یہ احساس اُسے مغرور نہین بنا دیتا ہے، جانتا ہے کہ یہ فطرت کا عطیہ ہے، اور وہ اس عطیہ کے لئے فطرت کا شکر گذار ہے، (آل انڈیا ریڈیو لاہور کی اجازت سے)

خ، ع، ح

فنِ سیرت نگاری

حقیقی سیرت نگاری کا فن مصوری اور آئینہ سازی کے کمالات کا مجموعہ ہوتا ہے، سیرت نگار حسن، خوبی اور خصوصیات کا ایسا تحریری مرقع تیار کرنا چاہتا ہے، جو زندگی کی صحیح، مکمل اور جیتی جاگتی تصویر ہو، سیرت کو صاحبِ سیرت کا آئینہ اور مرقع ہونا چاہئے، فنِ سیرت نگاری عبارت ہے آئینہ کی عکس ریزی اور مصور کی قلم کاری سے، فنِ سیرت نگاری کی یہی چیز سیرت نگاری کو دشوار بنا دیتی ہے، اس لئے سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ تکمیلِ فن کیسے ہو سکتی ہے، کتاب کے چند اوراق مین زندگی کا ایک صحیح، نفیس، دلپذیر، دلچسپ، مخصوص اور موثر مرقع کیونکر سمیٹا اور سمویا جا سکتا ہے، اور کیا اسکی تکمیل خوبی و خلوص کے ساتھ ممکن ہے، سوانح نگار صرف کسی ایک واحد دلچسپ پہلو کو پیش نہین کرتا، بلکہ کسی کی فطرت اور کیرکٹر کا مکمل مرقع پیش کرنا چاہتا ہے، دوسری دقت یہ ہوتی ہے، کہ اُس کو اس کثیر مواد سے جو اوس کے سامنے موجود ہوتا ہے، بڑی خوبی اور احتیاط کے ساتھ انتخاب کرنا پڑتا ہے، مثلاً کسی شخص کی مشغول زندگی کے سوانح کو پیش کرنے مین سوانح نگار کیلئے

ضروری ہی، کہ وہ اس شخص کے معاملات، اسکی ملاقاتون اور گفتگو کے بارے مین صحیح اور متوازن معلومات
حاصل کرے، یہ بھی معلوم کرنا ضروری ہوگا، کہ کتنی شخصیتین اوس سے متاثر ہوئین یا اوس نے کتنون کو متاثر
کیا، کتنے خطوط کیسے اور کیون اوس نے لکھے کتنے اور کیسے خطوط اوس کے پاس آئے، ان ساری باتون
کو پیش نظر رکھکر سوانح نگار کو اپنے تاثرات پیش کرنا اور آہین توازن قائم رکھنا نہایت ضروری ہے،
اس کو صاحبِ سیرت کے صرف کامیابی اور کامرانی کے زمانہ کا مرقع نہین پیش کرنا پڑیگا، بلکہ توازن
قائم رکھنے کے لئے یہ بھی بتانا ضروری ہوگا، کہ مصائب، رنج و غم و غصہ اور درماندگی سے وہ کس طرح
متاثر ہوتا تھا،

ان تمام پہلوؤن کو کما حقہ پیش کرنا ممکن نہین، اصل یہ ہی کہ متوازن سوانح نگاری کا فن انتخاب
و توازن کے کمال سے عبارت ہوتا ہی، اس لئے یہ فن تمام فنونِ لطیفہ سے کہین زیادہ اہم و بلند ہی،
یہ بات یقین کے ساتھ کہی جا سکتی ہی، کہ فن سوانح نگاری بمقابلہ دوسرے فنونِ لطیفہ کے ابھی اپنے
ابتدائی مدارج سے گذر رہا ہی، اور بلا تامل اس کا اقرار کرنا پڑے گا، کہ سوانح نگار کی سب سے بڑی
دشواری وہ جذبہ ہی، جس سے انسانیت موت سے متاثر ہوتی ہے، کسی ایسے شخص کی اچانک موت
جس کی زندگی مشغول، مستعد اور روشن تھی، متوسلین کے دماغ کو ایسا مختل اور پراگندہ کر دیتی ہی،
کہ متوفی کے بارے مین ان کی رائے بالکل بدل جاتی ہے، مکان جس مین متوفی کی آواز اور اس
کے قدم کی چاپ اب نہین سُنی جاتی، اوس کی پڑی ہوئی کتابین، گرا ہوا قلم، خالی کرسی، ان سب سے
جذبۂ محبت کو سخت صدمہ پہنچتا ہے، اور اکثر و بیشتر اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے، کہ متوفی کا کریکٹر فوراً تقدس
اور وقار سے متصف نظر آنے لگتا ہے، اس کے بارے مین کسی احمقانہ یا مضحک بات کی یاد جذبۂ احترام
کے منافی معلوم ہوتی ہے، اس کی زندہ دلی اور خوش طبعی کی یاد سے دل مغموم ہو جاتا ہے، اس وقت
سیرت نگار اپنا کام شروع کرتا ہی، اور جب اوس کا قلم سیرت نگاری شروع کرتا ہے، اور متوفی

کی لغزشون، کمزوریون، نقائص یا اسکی پُر سیاست حکمت عملی یا کیفیاتِ ذہنی کی قلمی تصویرین تیار
ہونے لگتی ہین، تو صاحبِ سیرت کے پرستارون مین سیرت نگار کے خلاف ناپسندیدگی کا جذبہ پیدا
ہوتا ہے، جو بلاشبہ سچا، خالص اور قابلِ عزت ہوتا ہی اور صرف اس خیال سے جوش مین آتا ہی، کہ
اون کے ہیرو کو غیر مناسب یا ناپسندیدہ یا غلط یا مضحکہ انگیز رنگ مین پیش کیا جا رہا ہے، ایسے وقت
مین سیرت نگاری کا کام اس وقت تک کے لئے فوراً بند کر دیا جائے، جب تک متوفی کی یاد کے
نقوش مدھم نہ ہو جائین، معمولاً سیرت نگاری کا کام جلد شروع اور جلد ختم کر دیا جاتا ہی، اور صاحبِ تحریر کے
تمام پہلوؤن اور اس کی مخصوص اور نمایان خصوصیات کو ہلکا کر کے اوس کے باریک فرق و امتیاز کا
خون اور توازن کا خاتمہ کر دیا جاتا ہے، سیرت نگاری کی سب سے ابتدائی اور سب سے سخت دشواری
یہی ہی، سیرت نگار کو بطل پرستی کے اثر سے جذبات کی کشمکش سے بھی دوچار ہونا پڑتا ہے، حقیقت اور
رومان کی یہ قدیم جنگ ہے اکثریت کو رومان سے شغف ہوتا ہی، اور وہ شخصیت کو بہترین
شکل مین پیش کرنا قابلِ ستایش سمجھتی ہے، اس لئے فن سوانح نگاری صرف ایک پامال، بے روح
جذبات سے لبریز اور صداقت سے خالی فن ہو کر رہ گیا ہے، جب تک لوگ یہ سبق نہ سیکھ لین، کہ
جس شخص کی عظمت اوس کی سوانح نگاری کی مستحق ہی، اس کی عظمت اسکی بھی مستحق ہے کہ اوسکی
زندگی کا نہایت صاف، صحیح اور سچا مرقع پیش کیا جائے، اس وقت تک فنِ سیرت نگاری
کی حقیقی عظمت قائم نہین ہو سکتی، اس رومانی مرقع کو کون پسند کر سکتا ہے جو حقیقت سے یکسر
خالی ہو، اگر زندگی کا مرقع تیار کرنا ہے تو اسکی تکمیل زندگی کے تمام نشیب و فراز، خوبی و کمزوری،
دانائی اور نادانی کے خطوط اور رنگون سے ہونی چاہئے، لیکن عام قاعدہ کے مطابق جذباتی مداحین
اس کا کوئی لحاظ نہین کرتے، ان کو نہ صداقت کی پرواہ ہوتی ہے، اور نہ وہ توازن کا خیال رکھتے
ہین، وہ صرف ایک دمکتا ہوا پُر شوکت مرقع تیار کرنا چاہتے ہین، اس کا یہ منشا نہین ہی کہ زندگی

کے ناہموار پہلوؤن کا مضحکہ انگیز مرقع پیش کیا جائے، ان پہلوؤن پر زیادہ زور دیئے اور ان کو ضرورت سے زیادہ واضح کرنے کی ضرورت نہین، لیکن صداقت اور توازن کا قائم رکھنا ضروری ہے،

سیرت نگاری کی راہ مین ایک اور سنگِ گران حائل ہی، جس کو ہٹانے کی ابتک کوئی کوشش نہین کی گئی ہی، وہ یہ کہ عموماً انہی لوگون کی سیرت اور سوانح لکھے جاتے ہین جن کے کارنامے اہم اور روشن ہین اور یہ فنونِ لطیفہ کے بالکل منافی ہے، بہت سے ایسے لوگ ہین، جو شخصیت کو کارنامہ پر قربان کر دیتے ہین، جس کام کو وہ اٹھاتے ہین، اس مین ساری قوت صرف کر دیتے ہین، اور بڑے کارنامے بھی وہ انجام دیتے ہین، اور اس مین اپنی زندگی کھو دیتے ہین، انکی بے مائگی انکی زندگی کو رنگ و بو سے ہمیشہ کے لئے محروم کر دیتی ہی، ایسی شخصیتین صرف خشک اور معمولی تاریخی تذکرہ کی مستحق سمجھی جاتی ہین ان کا تعلق بجاے سیرت کے تاریخ سے ہو جاتا ہی لیکن ان شخصیتون کے علاوہ بہت سی ایسی بلند ہستیان بھی ہین، جن سے کسی فنی کمال کا اظہار تو کسی میدان مین نہین ہوا لیکن ان ہستیون نے انسانی جذبات کو اُبھار کر متلاطم کر دیا، اور بے شمار لوگون کی زندگیون کو اپنی تپش سے گرما دیا، اُن کی باتون مین نرمی، ٹھنڈک اور حلاوت تھی، ان کی نگاہ مین ہزارون اشارے پوشیدہ تھے، انھون نے زندگی کو پُر لطف اور پر معنی بنا دیا، ان کی روشن اور پرکشش شخصیت مین دلبری تھی، لیکن شاید ہی کبھی ان ہستیون کے بارے مین کچھ بھی لکھا گیا ہو، اس کا سبب صرف یہ ہی کہ ان کی پُر تاثیر اور زود اثر گفتگو کا حوالہ کسی تحریر مین نہین ہے، کیونکہ ان کی ان نگاہون اور اشارون کو جن کی کشش کا بھولنا ممکن نہین الفاظ کے جامہ مین منتقل کرنا دشوار تھا، حقیقت یہ ہی کہ یہ ہستیان بہترین یاد کی مستحق ہین کیونکہ انھی نے ہم کو زندگی کی نیکیون، اسکی اہمیت اور دلکشی سے روشناس کرایا،

سچے سیرت نگار کو صاحبِ سیرت کا بڑا گہرا مطالعہ کرنا چاہئے، سیرت نگار اس کو دیکھتا اور محسوس کرتا ہی، وہ اوس کے ظاہر و باطن سے واقف ہوتا ہے، سیرت نگار کو وہ پہلو قطعاً

نہین پیش کرنا چاہئے، جس کو محض وہ اپنے گمان مین جانتا اور دیکھتا ہے، بلکہ اس رُخ کو پیش کرنا چاہئے جس کو وہ حقیقۃً دیکھتا اور جانتا ہی، ایک مشہور مصوّر کا قول ہے، کہ پیشہ ور مصوّر اور صاحبِ ذوق مصوّر مین جو اپنے ذوق کی خاطر مصوّری کرتا ہے، یہ فرق ہے کہ پہلا مصوّر اپنے ذہنی خاکہ کی مصوّری کرتا ہی، وہ ایک درخت، شکل یا چہرہ کو دیکھتا ہے، پھر اوس کے بارے مین استدلال اور اس کی توجیہ و تشریح کرتا ہے، لیکن آرٹسٹ بالکل بے ساختہ، بلا تامّل کسی چیز کی کسی نہج سے پوری خوبی کے ساتھ مصوّری کرتا ہے، وہ استدلال اور توجیہ سے بالاتر ہوتا ہے، اوس کے لئے مصوّری کے لوازمات صرف صورت، مختلف رنگون اور فصل تک محدود ہوتے ہین، تصویر کی تشریح و توجیہ تو تصویر دیکھنے والون کا دماغ کرتا ہے، مصوّر کو تشریح اور توجیہ سے کوئی دور کا بھی واسطہ نہین ہوتا،

سیرت نگار کی قوتِ مشاہدہ نہایت دقیق، قوی، عمیق اور دقّت پسند ہونی چاہئے، اس کے لئے صبر، قوت اور تلاش و تحقیق کا ذوق ضروری ہے، اوس مین ایسی صداقت ہونی چاہئے کہ جذبات اور رومان کے مطالبات کی طرف مطلق کوئی توجہ نہ کرے، اوس کے لئے قابلِ احترام چیز کی بے حرمتی کرنا، ایسا ہی نامناسب ہے، جیسا ایک مصوّر کے لئے عریانی کی مصوّری پر اصرار کرنا، لیکن اس قسم کی بطل پرستی کا احترام نہین، جس کا تقاضا یہ ہو کہ کسی شخصیت کا ایسا مرقع پیش کیا جائے جو داغ دھبے سے بالکل پاک، نور ہی نور ہو،

سیرت نگاری مین اصل دقت توازن کی ہوتی ہے، جس مین بلند، اعلیٰ اور پُر ہیبت پہلوؤن کو دقیق، پُر تلوّن اور ظریفانہ پہلوؤن سے متوازن کیا جاتا ہے، (زمین کے اندر اور آسمان کے اوپر، بعد موت روح و جسم کی طرف اشارہ ہے) جو اسرار مخفی ہین، وہ اگر بیان نہ کئے جا سکین تو اس طرح پیش کئے جائین، جس سے ان کا کچھ ہلکا سا تصوّر کیا جا سکے، عالی مرتبہ بلند پایہ شخصیتین، ہمیشہ اُن ساری باتون کا پورا اظہار نہین کرتین، جن کو وہ جانتی اور محسوس کرتی ہین، ان کی خاموشی اکثر ان کی

تقریر و گفتگو سے زیادہ ہوتی ہے، سیرت نگار مین پاک اور روح پرور خاموشیون کی طرف اشارہ
کرنے کی صلاحیت بھی ضرور ہونی چاہئے، کیونکہ بڑے لوگون کی شخصیت کا جنھون نے عملی کام کئے ہین
ہم کو صرف خفیف پر تو نظر آتا ہے، ان کے بے شمار خفیف اشارے اور جلوے ہماری نگاہ ہونے سے اوجھل رہتے
ہین، ہم بعض اشخاص سے ان کی خرابیون اور کمزوریون یا اون کے ساتھ بے جا حُسن ظن یا بدظنی یا
اون کے عمدہ سلیقہ کی وجہ سے محبت و نفرت نہین کرتے، بلکہ ان کی ذات سے محبت و نفرت کرتے ہین، اس لئے
بہترین سیرت نگار کو اپنے وجدانی سلیقہ سے یہ ضرور معلوم کرنا چاہئے، کہ صاحبِ سیرت کی سیرت
کے اصلی اور بنیادی اجزا کیا ہین، اور اس کی محبت کی بنیاد جذبۂ شوق نہین، بلکہ صداقت پر
ہونی چاہئے، وہی سوانح نگار حقیقی سوانح نگار اور خادم فن کہلانے کا مستحق ہے، جو صداقت
اور ہنر کے ساتھ اپنا فرض انجام دیتا ہے، ایسا شخص اپنی صداقت سے دوسرون کو ایمان و یقین پر
آمادہ کرسکتا ہے، اور انھین بتا سکتا ہے، کہ ایسی زندگی جو اس حُسن و خوبی کے ساتھ بسر کی گئی ہو، ناکامیون
اور حرمان نصیبیون کے باوجود اس زندگی سے کہین زیادہ اعلیٰ و ارفع اور دلکش ہے، جس کا صرف
خیالی اور رومانی مرقع پیش کیا گیا ہو،

"ن ص"

خطبات مدراس

مولانا سید سلیمان ندوی نے ۱۹۲۶ء عیسوی مین سیرت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے مختلف
پہلوؤن پر آٹھ خطبے دیئے تھے، جو نہایت مقبول ہوئے، اور مسلمانون نے ان کو بیحد پسند کیا،
یہ اس کتاب کا تیسرا اڈیشن ہے،

ضخامت :- ۱۹۴ صفحے، قیمت :- عہ

"منیجر"

اخبارِ علمیہ

جامعۂ ازہر کی ہزار سالہ جوبلی

سنہ ہجری کے حساب سے مصر کی مشہور عربی یونیورسٹی جامعہ ازہر کی تاسیس کو ایک ہزار سال پورے
ہوگئے، اس لئے ازہر والون کو عرصہ سے اس کی ہزار سالہ جوبلی منانے کا خیال تھا، اور اس کیلئے
تاریخ بھی مقرر ہو گئی تھی، جس کی صدارت شاہ فاروق کرنے والے تھے، لیکن ان کی علالت کی
بنا پر اسے پھر ملتوی کر دیا گیا، اس جامعہ کی بنیاد ۳۵۹ھ مطابق ۹۶۹ء مین پڑی تھی، اس کا
بانی معز الدین اللہ فاطمی کا مشہور جنرل جوہر ہے، اس جامعہ سے ہر سال ۱۱۰۰۰ طلبہ فارغ
ہوکر نکلتے ہین، پہلے یہان صرف قدیم اور دینی علوم کی تعلیم ہوتی تھی، اب ضرورت کے مطابق
اس کے نصاب مین جغرافیہ، تاریخ اور ریاضی بھی داخل کر دیئے گئے ہین، یہان ترکی، افغانستان،
عراق، فلسطین، شام، فارس، ہندوستان، جاوا، سماترا، حجاز، سوڈان، حبشہ، چین، غرض سارے
دنیائے اسلام کے طلبہ حصول تعلیم کے لئے آتے ہین، اس جامعہ کی سالانہ آمدنی ۵۰۰۰۰۰ پونڈ یعنی
۷۵۰۰۰۰۰ روپئے ہے، ملکی طلبہ سے کوئی فیس نہین لیجاتی، یہان کے موجودہ شیخ الازہر مصطفیٰ مراغی ہین،

کویت اور مسقط کی ترقیان

کویت اور مسقط عرب کی نہایت چھوٹی ریاستین ہین، لیکن اپنی ترقی کے لحاظ سے وہ عرب کی

بڑی حکومتون سے کم نہین، کویت کی گذشتہ سال کی تعلیمی رپورٹ اور آیندہ تعلیمی بجٹ سے معلوم ہوتا ہے، کہ وہان کا تعلیمی شعبہ تعلیم کی اشاعت مین بڑی کوشش کر رہا ہے، اور جدید و قدیم دونون تعلیمون کی طرف پوری توجہ ہے، چنانچہ نئی تعلیم کے لئے جدید طرز کی دو بڑی عمارتین احمدیہ اور مشرقیہ بن گئی ہین، دیہاتون مین ابتدائی تعلیم کے مدارس کھولے جا رہے ہین، اعلیٰ تعلیم کے لئے طلبہ بیرونی ملکون مین بھی بھیجے جاتے ہین، غریب طلبہ کو ہر طرح کی مدد دیجاتی ہے، بچّون کی جسمانی تربیت کی ترغیب کے لئے روضۃ الاطفال کا قیام بھی پیشِ نظر ہے، تفسیر، حدیث اور فقہ کی تعلیم اور مذہبی لکچرون کے لئے علحدہ ایک ادارہ قائم کیا گیا ہے،

مسقط کی ریاست مین بھی نمایان ترقی ہی، شہر مین بجلی کی روشنی جاری ہوگئی ہے، نئی عمارتون مین حسن و ترتیب کا خاص لحاظ رکھا جاتا ہے، شہر کی صفائی اور حفظانِ صحت کی طرف پوری توجہ ہی، تعلیم و تجارت روز افزون ترقی پر ہے، ڈاک کا انتظام ترقی یافتہ ملکون سے کم نہین، گھر گھر ریڈیو ہوگیا ہی، حتیٰ یہ دورانِ ترقیون کے بعد انھین غیر مہذب کون کہ سکتا ہی،

بعض علمی نوادر

اورنگ آباد کے ایک شائقِ علم جناب محمد گیسو دراز خان نے اپنے کتب خانہ مین نادر قلمی کتابون کا بڑا قابلِ قدر مجموعہ جمع کیا ہی، ان مین سے چند قلمی نسخون کا تذکرہ کیا جاتا ہے،

(۱) تعمیر بی بی مقبرہ، اورنگ آباد مین اورنگ زیب کے لڑکے نے تاج محل کا ایک نقش ثانی تعمیر کرانے کی کوشش کی تھی، جس مین وہ پوری طرح کامیاب نہیں ہوا، اسکی تعمیر سے متعلق چند قلمی کاغذات ہین جو نہ صرف تاریخی نقطۂ نگاہ سے اہم ہین، بلکہ مغلون کے زمانۂ عروج کے فنِ تعمیر کی ترقی

کے بارے مین بھی کافی معلومات بہم پہنچاتے ہین (۲) دیوان ولی دکنی، اس نسخہ مین بہت سی غزلین ایسی ہین، جو دوسرے قلمی نسخون مین نہین ہین، یہ نسخہ ۱۱۲۵ھ مین نقل کیا گیا تھا (۳) مثنوی میر حسن کا ایک نادر قلمی نسخہ ہے (۴) فنِ خطاطی کا البم، اس البم مین فنِ خطاطی کے سترہ اٹھارہ نمونے موجود ہین، (۵) مجموعۂ عالمگیری، مؤلفہ امیر قوام الدین سنجی، اس کتاب مین خواجہ معین الدین چشتی، شیخ نصیر الدین چراغ دہلی، خواجہ قطب الدین بختیار کاکی اور حضرت نظام الدین اولیا کے متعلق کافی مواد موجود ہے،

دنیا کی سب سے بڑی لغت

چینی ایک ایسی لغت تیار کر رہے ہین، جو الفاظ کی کثرت معنی کی تشریح اور لکھائی چھپائی کے اعتبار سے دنیا کی سب سے زیادہ مکمل اور عظیم الشان لغت ہوگی، یہ لغت چھ ہزار مختلف چینی رسم الخط مین شائع ہوگی، اور اس کی چالیس جلدین ہون گی، اس کی تکمیل مین دس برس لگین گے، پہلی جلد جس مین ۴۷،۰ اوراق ہون گے، صرف ایک چینی لفظ "ئی ژ" (ژی) کے تمام مشتقات اور اس کے معنی پر محیط ہوگی، اوس کے ساتھ ہی ساتھ ۱۱۰۰ مختلف قسم کے الفاظ اور محاورے بھی ہون گے، اس سے اس لغت کی وسعت کا اندازہ کیا جا سکتا ہی،

ایک نو ایجاد گھڑی

حال ہی مین ایک یورپین فرم نے ایک ایسی گھڑی بنائی ہے، جس مین کوک دینے کی قطعی ضرورت نہین، ابتک جتنی گھڑیان بھی ہین، خواہ وہ کلائی کی ہون یا جیبی، دیوار کی ہون یا ٹائم کلاک، اس مین ۲۴ گھنٹے، ایک ہفتہ یا اٹھارہ دن یا مہینہ بھر مین چابی دینا ضروری تھا، لیکن اس نو ایجاد گھڑی مین جس کا نام اٹموس ([illegible]) ہے، کوک دینے کی ضرورت نہین، بلکہ اسمین

موسم کے تغیرات گرمی، سردی، برسات اور بہار کے اثرات اور ہوا کی ہلکی سی لہر کے اثر سے خود بخود
کوک بھر جاتی ہے، اس مین نہ تو بیٹری استعمال ہوتی ہے، اور نہ برقی لہرین، غرض یہ گھڑی جب تک
دنیا قائم ہے بغیر انسانی مدد کے متحرک رہے گی،

طاقت بخش حیاتین

جب سے موجودہ جنگ کے ہولناک شعلون نے دنیا کی اقتصادی، معاشرتی حالت اور
مختلف کارخانون کو اپنی آتشین لپیٹ سے خاکستر کر دیا ہے، اس وقت سے سائنس دانون کو ایسی
بہت سی نئی چیزون کی طرف توجہ کرنا پڑی ہے، جنھین جنگ نے ضروری بنا دیا ہے، جرمنی مین
چونکہ خوراک کی کمی ہے، اس لئے وہان کے سائنس دان ایسی حیاتین تیار کرنے کی کوشش
کر رہے ہین، جس کی ایک خوراک دن بھر کے کھانے کا کام دیگی،

ایک بڑا پھول

شمالی مغربی امریکہ کے جنگلون مین ایسے پودے پائے جاتے ہین، جن مین گلابی رنگ کے حسین
پھول کھلتے ہین، ان پودون کا قد عموماً چھ فٹ ہوتا ہے، اور ان کے پھول اتنے بڑے ہوتے
ہین، کہ اس کی ہر پتی ڈیڑھ دو فٹ لمبی ہوتی ہے، ان پھولون مین نزاکت بیحد ہوتی ہے
اور چھونے کے ساتھ ہی سمٹ جاتے ہین، اس پھول کا نام لیکوڈ لفیا ([illegible]) ہے۔

ا - س

آثار علمیہ و ادبیہ

مولانا شبلی مرحوم کے دو غیر مطبوعہ خط

از

مولانا امتیاز علی خان صاحب عرشی ناظم کتب خانہ ریاست رامپور

مولانا شبلی مرحوم اور کتبخانہ ریاست رامپور مین بہت قدیم علمی رابطہ تھا، غالباً اس کا آغاز
الفاروق کی تصنیف کے وقت ہوا ہے، کیونکہ سب سے پہلے اسی کتاب کی تالیف کے لئے مسالہ جمع کرنے مین
مولانا نے ہندوستان کا کونا کونا چھانا، اور جب یہان مزید معلومات ملنے سے ناامید ہوئے تو ممالک
اسلامیہ کا سفر اختیار فرمایا تھا،

کتبخانہ کی کتاب معائنہ مین مولانا کی پہلی تحریر ۹ ستمبر سنہ ۱۸۹۰ء کی لکھی ہوئی ہے، یہ اس کا
کھلا ہوا ثبوت ہے کہ آپ کا رامپور مین ورود ستمبر سنہ مذکورہ بالا مین ہوا، تحریر کے الفاظ یہ ہین:-

"مین نے کتب خانہ کو کسی قدر تفصیل سے دیکھا، چونکہ مین کتب خانہ کی ایک مفصل رپورٹ
لکھنا چاہتا ہون، اس لئے اس موقع پر اسی قدر لکھنا کافی ہوگا، کہ یہ ایک بے مثل کتب خانہ
ہے منتظمان کتب خانہ مستعد اور کارگذار ہین، خصوصاً مہدی علی خان صاحب کو اس قدر
واقفیت اور تجربہ ہے، کہ ایسے عظیم الشان دار الکتب کی ایک ایک کتاب کا نمبر و نشان اور
اس کی حالت گویا ان کی آنکھون کے سامنے ہے، فہرست کی اگر معقول ترتیب ہو جائے

تو نہایت آسانی ہو، مولوی عبید اللہ صاحب نے بہت کچھ کام کیا ہے جو قابلِ مدح ہی،

لیکن ابھی بہت کچھ کرنا ہے" محمد شبلی پروفیسر مدرسۃ العلوم علی گڈہ

۹ ستمبر ۱۸۹۰ء"

اس مین جس مفصل رپورٹ کا ذکر ہے، وہ معارف بابت ماہ اکتوبر ۱۹۳۴ء مین مین نے شائع کرادی ہی، اس کے بعد ۱۹۱۴ء مین مولانا کتب خانہ تشریف لائے تھے، اس موقع پر آپنے کتاب معاینہ مین جو تحریر لکھی تھی، وہ بھی معارف کے سابق الذکر شمارے مین چھپ چکی ہی، مگر چونکہ چند سطرون سے زیادہ نہین ہے، یہان دوبارہ نقل کرتا ہون، فرماتے ہین:

"مین اس کتب خانہ سے بارہا متمتع ہوا ہون، ہندوستان کے کتب خانون مین اس سے بہتر کیا اس کے برابر بھی کوئی کتب خانہ نہین، مینے روم و مصر کے کتب خانے بھی دیکھے ہین، لیکن کسی کتب خانہ کو مجموعی حیثیت سے مین نے اس سے افضل نہین دیکھا اہل کاران کتب خانہ کی محنت اور وسعتِ اطلاع کی داد دینی چاہیے، خصوصًا مہدی علی خان صاحب تو خود ایک زندہ کتب خانہ ہین۔

شبلی نعمانی۔ ۲۰ اپریل ۱۹۱۴ء"

مولانا نے اپنے پہلے سفر کے بعد حکیم اجمل خان مرحوم اور حافظ احمد علی خان مرحوم کے نام جو خط تحریر فرمائے تھے، ان مین سے صرف دو کتابخانے کے ایک پرانے فائل مین ملتے ہین، چونکہ ان سے شاعری کے متعلق مولانا کی رائے معلوم ہوتی ہے، نیز شعر العجم کی تالیف کے آغاز پر مفید روشنی پڑتی ہی اسلئے معارف کے ذریعہ اہلِ ادب تک اس تحفہ کو پہنچا رہا ہون،

ا- مولانا کا پہلا خط غالبًا حافظ احمد علی خان شوق مرحوم سابق ناظم کتابخانہ کے نام ہے، حافظ صاحب مرحوم اوس زمانہ مین کتابخانہ کے منصرم تھے، اور نجی طور پر مطبع احمدی جاری کرکے اوس سے

ایک ماہانہ گلدستہ نکالتے تھے، اس خط مین القاب مرسے سے محذوف ہے، صرف تسلیم سے شروع کردیا گیا ہے، فرماتے ہین:

"۱۲ جنوری ۱۸۹۵ء

تسلیم

والانامہ میری غیبت مین آیا، مین ایک ضروری کام سے وطن گیا ہوا تھا، آج واپس آیا ہون، آپ نے جس عنایت اور لطف سے ایک نیازمند کو یاد کیا ہے، اس کا شکریہ کس زبان سے ادا ہوسکتا ہے،

گلدستون کا مین بہت مخالف ہون، نہ اس لئے کہ مجھکو ایشیائی شاعری سے اجتناب ہے بلکہ اس لئے یہ چیز اجیرن ہوگئی، گلدستہ مین اگر بالالتزام شاعری کی حقیقت، عرب، فارس اور ہندستان کی شاعری کی تاریخ، ان کا باہم موازنہ اور اس قسم کے امور پر محققانہ آرٹیکل ہوا کرین، تو اشعار کا حصہ بھی پُرمزہ، ورنہ چٹنی کو مستقل غذا بنانا ایک بیفائدہ کوشش ہی، نئے مذاق کی شاعری زیادہ نہین چل سکتی، مولوی حالی صاحب کا میدان ہوچکا اور اُن کی چال پر جو لوگ چلتے ہین، بالکل نقالی معلوم ہوتی ہی تحقیقاتِ شاعری کا عنوان لے کر ہر پرچہ مین کچھ نہ کچھ لکھا جائے، تو البتہ ایک کام کی چیز ہوگی لیکن اوس کے ساتھ چھپائی اور کاغذ کی عمدگی بھی جب تک اول درجہ کی نہ ہو، لوگ اس کی طرف توجہ نہ کرین گے،

مین بہت کم شعر کہتا ہون، دو تین سال مین ایک آدھ نظم ہو جاتی ہے، اور وہ اسی وقت کسی اخبار وغیرہ مین شائع ہوجاتی ہے، اس لئے غیر مطبوع کلام پیش نہین کرسکتا، الفاروق جواب چھپ رہی ہے، اس کے دیباچہ کے لئے کچھ اشعار موزون کئے تھے، اب اس کے درج کرنے کا ارادہ نہین ہے، وہ البتہ غیر مطبوع ہے، اس لئے نذرِ خدمت ہے، لیکن گلدستہ مین

اس کی کہت کس تقریب سے ہو سکتی ہی، بہرحال تعمیلِ فرمایش کرتا ہون،

زر دہ ابھی ڈاکخانہ مین ہی کل ملے گا، اس وقت رسید لکھونگا،

من کہ یک چند زدم مہرِ خموشی برلب — کس چہ داند کہ درین پردہ چہ سودا کردم[۵]

محفل از بادۂ دوشینہ نیا سودہ ہنوز — بادۂ تندتر از دوش بہ مینا کردم

پیکرے تازہ کہ خواہم بہ حریفان بنمود — نخے از ذوقِ خودش نیز تماشا کردم

می توانم کہ دمم در تنِ اندیشہ روان — منکہ دریوزۂ فیض از دمِ عیسیٰ کردم

شاہدِ راز کہ کس پردہ ز رویش نگرفت — گرہ از بند قبایش بہ فسون وا کردم

سخن از پایۂ سقراط و فلاطون بگذشت — نامہ از نسخۂ روح القدس املا کردم

بسکہ ہر بار گہر باش گذشتم زین راہ — دشتِ معنی ہمہ پُر لولوے لالا کردم

لب زخمیازہ نمی بست قدح نوشان را — پارۂ از جگر افسردہ بہ صہبا کردم

والتسلیم شبلی علی گڈہ

۱۲ر جنوری ۱۸۹۸ء"

۲۔ مولانا کا دوسرا خط حکیم اجمل خان مرحوم کے نام ہے، اس لئے کہ اس کی پشت پر موصوف نے اپنے قلم سے یہ عبارت حافظ احمد علی خان مرحوم کو لکھی ہی:

"حافظ صاحب، اس کا مناسب جواب مولوی صاحب کو لکھ بھیجئے، اگر آپ بندوبست کر سکتے ہین، تو کر دیجئے" اجمل ۲۶ر مئی ۱۹۰۳ء"

[۵] معارف معلوم ہوتا ہو کہ الفاروق کے دیباچہ کے لئے مولانا نے جو نظم لکھی تھی، اس کے سب اشعار دیباچہ مین شائع نہین فرمائے، کیونکہ اس مین آخری شعر نہین ہو دونون نظمون کے بعض مصرعون مین بھی کہین ایک دو لفظون کا اور کہین پورے مصرع کا تغیر ہے،

اصل خط اس طرح شروع ہوتا ہو :۔

"مکرم ما

مین نے اب ایک عربی دان کاتب مقرر کر دیا ہے، جو غالباً صحیح لکھے گا، جداگانہ صحت کا انتظام نہین ہو سکتا تھا، فرمائیے تو اجزا طیار شدہ بھیجتا جاؤن،

ہان یہ ارشاد ہو کہ کتب خانۂ رامپور سے تمتع ہونے کی کیا صورت ہی؟

مین فارسی شاعری کی نہایت مبسوط تاریخ لکھنا چاہتا ہون، فردوسی، فرخی، عبدالوسع جبلی انوری، سلمان ساوجی، حکیم سنائی، عرفی، نظیری، منوچہری، دامغانی کے حالات تذکرون سے نقل کرا کر ارسال فرمائین تو نہایت کرم ہوگا،

کاتب نقل کرے اور اجرتِ کتابت مین ادا کرونگا، لیکن دولت شاہ سمرقندی، مجمع الفصحا، خزانۂ عامرہ، مراۃ الخیال، سرخوش سے نقل کرنے کی ضرورت نہین، یہ کتابین یہان بھی موجود ہین،

والتسلیم شبلی

حیدر آباد، ۱۰ر مئی ۱۹۰۳ء"

اس خط کے پہلے پیرے مین جن اجزاے کتاب کا ذکر ہے، وہ مفتاح السعادۃ کے اجزا تھے، یہ کتاب مولنا شبلی مرحوم کے توسط سے کتبخانۂ آصفیہ حیدر آباد سے نقل کرائی گئی تھی،

باب التقریظ والانتقاد

آفتاب

مرتبہ جناب خورشید الاسلام صاحب صدر آفتاب مجلس مسلم یونیورسٹی علی گڑھ تقطیع اوسط ضخامت ۲۰۲ صفحے کاغذ کتابت وطباعت بہتر قیمت معلوم نہیں، صدر مجلس سے ملے گی،

آفتاب ہال مسلم یونیورسٹی میں آفتاب مجلس کے نام سے طلبہ کی ایک علمی مجلس ہے جس کا مقصد ان میں تحریر و تقریر کا ملکہ اور علمی ذوق پیدا کرنا، اور ان کی مذہبی اور سیاسی تربیت ہے، صدر مجلس نے آخری مقصد کے تحت میں چند تجدیدی و اصلاحی مضامین اور بعض دینی و سیاسی مجددین کے حالات کا یہ مجموعہ شائع کیا ہے، اس میں سات مضامین ہیں، "تجدید و احیاے دین" مولانا ابو الاعلیٰ مودودی "اسلامی تہذیب پر دوسری تہذیبوں کے اثرات" جناب عبد اللطیف صاحب اعظمی "کیا موجودہ تصوف خالص اسلامی ہے" جناب ضیاء احمد صاحب بدایونی، "حضرت امام غزالی" جناب ملک حامد حسین صاحب "مختصر سیرت محمد بن عبد الوہاب نجدی" مولینا مسعود عالم صاحب ندوی "علامہ سید جمال الدین افغانی" مولانا سعید احمد صاحب اکبرآبادی، "جمال الدین افغانی" جناب اسلوب احمد صاحب انصاری، ان میں غالباً ایک دو مضمون کے علاوہ باقی سب مضامین مختلف رسالوں میں چھپ چکے ہیں، اور مجلس کے مقصد کے لئے مفید ہیں، تصوف کے متعلق ضیاء احمد صاحب کی تحقیق سنجیدہ ہے لیکن عبد اللطیف صاحب اعظمی

اور ملک حامد حسین صاحب کے مضامین میں بعض بڑی فاحش غلطیاں ہیں، مثلاً اعظمی صاحب لکھتے ہیں:-

"مسلمانوں کو غیر مسلم لڑکیوں کے ساتھ بعض شرائط کے ساتھ شادی کرنا جائز ہے، اس لئے انھوں نے ہندو لڑکیوں کے ساتھ نہایت کثرت سے شادیاں کیں" کتابیہ عورتوں کے ساتھ توبیشک شادی جائز ہے، لیکن ہندو عورتوں کے ساتھ قبول اسلام کی شرط کے علاوہ معلوم نہیں اور کون سی شرائط پر جائز ہے" یا ابن عربی کا یہ خیال کہ خدا کے اصلی نام تین ہیں، "اللہ، رحمٰن، رب" اور دوسرے تمام اس کے ماتحت ہیں، عیسائیوں کے عقیدۂ تثلیث سے ماخوذ ہے، ممکن ہے ابن عربی نے کہیں یہ خیال ظاہر کیا ہو، لیکن اسکو تثلیث سے کیا نسبت، تثلیث میں تو تین علحدہ علحدہ مستقل مجسم وجود بنکر اون کو خدا کی ذات میں شریک جانا جاتا ہے، اور ابن عربی تو اس کے قائل نہیں، پھر ابن عربی نے تو عام اہل سنت کے مطابق یہ تسلیم کیا ہے کہ اصل صفات الٰہی سات ہیں، (فتوحات مکیہ جلد اول ص۲۱۱ مصر) یا بلخ کا شہزادہ ابراہیم بن ادہم بدھ کے حالات سے اسقدر متاثر ہوا، کہ خلعت شاہی اتار پھینکا، اور جنگلوں کی راہ لی، اوّلاً حضرت ابراہیم ابن ادہم کی شاہزادگی کی روایت بالکل عامیانہ ہے، آپکا وصال خود مضمون نگار کے قول کے مطابق ۱۶۱ھ یا ۱۶۶ھ میں ہوا، جو مہدی عباسی کا زمانہ تھا، اور اس زمانہ میں اندلس کے علاوہ اسلامی ممالک کا کوئی حصہ بنی عباس کے قبضہ سے نہ نکلا تھا، اور نہ کہیں امارت و حکومت قائم ہوئی تھی، پھر ابراہیم بن ادہم کس حکومت کے شاہزادے تھے، دوسرے یہ کونسی منطق ہے، کہ جس شاہزادے نے دنیا چھوڑی تو محض بدھ کے حالات سے مشابہت کی بنا پر اسے بدھ کے اثر کا نتیجہ قرار دیا جائے، اس قسم کی اور بھی بعض غلطیاں ہیں، جن کی تفصیل کی اس مختصر ریویو میں گنجایش نہیں، ملک حامد حسین صاحب کا مضمون تو اور بھی گیا گذرا اور اغلاط سے لبریز ہے، چند موٹی موٹی غلطیاں یہ ہیں، مثلاً "ابن سینا کا خیال تھا کہ شرع کے احکام و ریاست کے قوانین صرف عامۃ الناس کے لئے واجب العمل ہیں، محمد (صلعم) کا مقصد یہ تھا کہ بدویوں کو مہذب بنائیں، اس مقصد کے لئے انھوں نے علاوہ اور باتوں کے خشر اجساد

کی تعلیم دی" یا "ابن رشد اپنے کو قطعاً اسلام سے آزاد خیال کرتا تھا، یہ فلسفی فلسفہ کو اسلام پر ترجیح دیتا تھا، اس کا خیال تھا، کہ جو کچھ قرآن میں ہے اُسی کو بغیر چون وچرا کے مان لینا چاہئے، اسی کو وہ حق بتاتا ہے لیکن ایسا حق جو طفل طبقے کے لوگون کے لئے موزون ہے، اور اسکی وقعت قصہ کہانیون سے زیادہ نہیں، فلسفہ ایک بلند چیز ہے، اور حقیقی وجود کا پتہ دیتا ہے" یا "امام غزالی کے نزدیک حشر اجساد پر عقیدہ نہ رکھنے سے اسلامی عقیدہ پر کوئی اثر نہیں پڑتا" ان میں سے ایک بات بھی صحیح نہیں ہے، ابن سینا اسلام کو دینِ حق سمجھتا تھا، اور حشر اجساد کا قائل تھا، الہیات شفا میں لکھتا ہے، کہ اس سچی شریعت نے جو ہمارے پیغمبر ہمارے آقا ہمارے سردار محمد صلی اللہ علیہ وسلم لے کر آئے جسمانی عذاب وثواب کا حال نہایت تصریح سے بیان کیا گیا ہے" کیا شریعت کو بدویون کا قانون سمجھنے والے اور معاد جسمانی کے منکر کے یہی الفاظ ہو سکتے ہین، البتہ عالم آخرت کی لذات کے متعلق اس کا خیال ہے کہ جسمانی لذتین عوام کے لئے ہین، خواص کے لئے اس سے بلند تر روحانی لذات ہین اس خیال کو بھی حشر اجساد کے انکار سے کوئی تعلق نہین، ابن رشد کے خیالات کو نہایت مسخ کرکے پیش کیا گیا ہے، فصل المقال اور کشف الادلہ مین قرآنی احکام پر فلسفیانہ غور وفکر کے بارہ مین اوس نے تفصیل کے ساتھ اپنے خیالات ظاہر کئے ہین، اس کا خلاصہ یہ ہے کہ "دین حق ہے، اور وہ خود معرفتِ حق کے لئے فلسفیانہ غور وفکر کی دعوت دیتا ہے، فلسفیانہ طریقِ تفکر صحیح نتیجہ پر پہنچاتا ہے، اس لئے اس سے مذہب کی مخالفت نہین بلکہ اسکی تائید اور موافقت ہوتی ہے، اور کلام مجید مین خطابی اور اقناعی اور برہانی اور قیاسی دونون طرح کے دلائل ہین جن سے عوام اور اہلِ علم یعنی حکماء اور فلاسفہ دونون کی تشفی ہو جاتی ہے، اس لئے حکماء کو برہانی اور قیاسی نقطۂ نظر سے اس پر غور وفکر کرنا چاہئے، اور آیاتِ قرآنی کی دو قسمین ہین، ایک وہ جن کے معنی بالکل ظاہر ہین، اون کے ظاہری معنی کو بغیر کسی تاویل کے ماننا عوام اور اہلِ علم دونون کے لئے ضروری ہے، دوسری وہ جن مین ظاہری معنی کے علاوہ حکیمانہ تاویل بھی ہو سکتی ہے، اس مین حکماء کو فلسفیانہ غور وفکر اور تاویل کی اجازت ہے لیکن عوام کے سامنے اس کا اظہار کفر ہے، بلکہ ایسی کتابون مین بھی اس کا اظہار

نہ ہونا چاہئے جن پر عوام کی دسترس ہو" مضمون نگار کے نقل کردہ خیالات اور اس خیال مین کیا نسبت ہے، اسی طرح امام غزالی کی جانب جو قول منسوب کیا گیا، وہ بھی غلط ہے، وہ حشر اجساد پر یقین نہ رکھنے والے کو کافر سمجھتے تھے، جیسا کہ تہافۃ الفلاسفہ مین ہے، اسی بنا پر انھون نے ابن سینا کی تکفیر کی ہے، احیاء العلوم ان کی آخری کتابون مین ہے، اس مین اس کا ذکر ہے، لطف یہ ہے کہ ان لوگون کے مقابلہ مین مصنفین اخوان الصفا کو جن کی گمراہیان ظاہر ہین، معطلین مین اور منصور حلاج کو عارفِ کامل تسلیم کیا گیا ہے، بعض واقعات تاریخی حیثیت سے بالکل غلط ہین، مثلاً امام غزالی کے تجدیدی کارنامون کے سلسلہ مین لکھتے ہین: "کہ ترک (سلجوقی) جاہل تھے، اس لئے ان کے زمانہ مین وہ فنون جو درحقیقت قوم کی رہنمائی کرتے ہین، سرے سے غائب تھے، اور ان کی جگہ ان فنون کا زور تھا، جو دربار مین قدر ومنزلت رکھتے تھے، اور جو سراسر مخربِ اخلاق تھے، اور جن سے انسانون مین پست ہمتی، بزدلی اور بے غیرتی پیدا ہوتی ہے، ان حکومتون نے اگر کوئی خدمت کی تو بس اس قدر کہ ایک طرف یونان، روم اور عجم کے جاہلی فلسفہ کو جون کا تون اسلام مین پھیلا دیا، اور دوسری طرف اپنی دولت کے ذریعہ اسلامی معاشرت مین جاہلی علوم وفنون کو جاری کیا" یہ ان سلجوقی ترکون کے متعلق کہا جاتا ہے، جن مین الپ ارسلان اور ملک شاہ جیسے جلیل القدر فرمانروا پیدا ہوئے جنھون نے ایک طرف عباسیون کے زوال کے بعد اسلامی سیاست کے مردہ قالب مین جان ڈالی، دوسری طرف ان کی فیاضی اور ان کے وزیر نظام الملک کی علم نوازی نے بغداد کے مشہور دار العلوم نظامیہ کی بنا ڈالی جو ساری اسلامی دنیا کا تعلیمی مرکز بن گیا، اگر ان کے یہ کارنامے تخریب اخلاق اور بزدلی پست ہمتی اور بے غیرتی پیدا کرنے کے ضمن مین آتے ہین، تو بیشک مضمون نگار کا بیان صحیح ہے، یونانی اور رومی فلسفہ تو ان سے مدتون پہلے مامون کے زمانہ مین رائج ہو چکا تھا، اس کا الزام غریب ترکون کے سر ڈالنا کہان تک صحیح ہے، غالباً یہ مضمون کسی انگریزی مضمون یا کتاب سے اخذ و ترجمہ ہے، ورنہ اتنی غلطیان نہ ہو سکتی تھین، اگر مضمون نگار تنہا اردو کتابون

سے یہ مضمون لکھتے، تو اس سے کہین زیادہ صحیح معلومات ان کو مل جاتے، ضرورت ہے کہ ایسے مضامین کی اشاعت سے پہلے کسی صاحبِ نظر کو دکھا لیا جایا کرے، ورنہ اسلامی تاریخ کے متعلق طلبہ کے سامنے اسی قسم کے نادر معلومات آیا کرین گے، "م"

"شمیم عشرت"

کتابت وطباعت بہتر، ضخامت ۳۸۳ صفحے، پتہ :- حسینی منزل، گیا،

جناب سید احمد علی عشرت مرحوم گیا صوبہ بہار کے رئیس اور کہنہ مشق شاعر تھے، انھون نے ۵ ار نومبر ۱۹۱۰ء کو انتقال کیا، اور ایک دیوان اور ایک بیاض اپنی یادگار چھوڑا، آج تقریباً ربع صدی کے گذر جانے پر اس دیوان کو ان کے لائق شاگرد رشید جناب سید حسن امام صاحب رئیس گیا نے مرتب شکل مین عمدہ کاغذ، عمدہ کتابت اور عمدہ طباعت کیساتھ شائع کیا ہے، لیکن دیوان کی اشاعت کا مقصد تاجرانہ نہین ہے، بلکہ خالص ادبی ذوق اور اپنے اوستاد کی ایک یادگار کو زندہ رکھنا ہے، اس لئے یہ قیمتہً فروخت نہین ہوتا، بلکہ تمام شعراء ارباب ذوق اور پبلک ادارون کو بلا قیمت ہدیۃً نذر کیا جاتا ہے، صاحبِ دیوان کو معلوم نہین کہ تلمذ کس سے حاصل ہے، لیکن وہ غالب کے شاگرد نادر شاہ خان صاحب شوخی رامپوری کے فیضِ صحبت سے جن کا قیام اکثر گیا مین رہتا تھا، بہت زیادہ مستفید ہوئے ہین، لیکن تعجب ہے کہ باانیہمہ وہ "دتی اسکول" کے رنگ سے بہت کم متأثر ہوئے، اور زیادہ تر غزلین لکھنؤ کے طرز مین لکھین، مثلاً شعرائے لکھنؤ کی طرح اکثر سیر حاصل غزلین، بلکہ جا بجا دو غزلے لکھے ہین اور بعض اشعار مین لکھنؤ کا رنگ صاف نمایان ہے، مثلاً

جب مرگِ ترش رو نظر آئی دمِ آخر ٹوٹا خمار نشۂ غفلت ہوا ہوا

مرگ ترش رو کی ترکیب اسی لئے اختیار کی ہے، کہ ترشی سے نشہ اتر جاتا ہے،

سُرخ جوڑا خونِ بسمل کا ہوا زیبِ بدن پھٹ پڑا جوبن عروسِ خنجرِ جلاد پر

کہین کہین ناسخ کی مضمون بندی اور تمثیلی رنگ بھی موجود ہے مثلاً

لاغر ایسا ہوا ہے جسم نحیف موے مژگان چشم عنقا ہے،

اہلِ دولت کو کہین پایا نہین حاجت روا وجہ رفع تشنگی آب گہر ہوتی نہین

غیر ممکن ہے کہ پائے ظالمون سے کوئی فیض آب خنجر سے گیاہ خشک تر ہوتی نہین

لیکن باایں ہمہ ان کا کلام لکھنؤ کے ابتذال و رکاکت سے بالکل خالی ہے، مبتذل مضامین معشوق کے خارجی اور جسمانی اوصاف، انگیا، چوٹی، آئینہ وشانہ، پازیب اور چھاگل وغیرہ کی تعریف و توصیف سے ان کے دیوان کے دامن پر کوئی دھبہ نہین لگا ہے، اگرچہ عشق و محبت کے لطیف و رقیق جذبات ان کے کلام مین زیادہ نہین پائے جاتے، تاہم مضامین جسقدر ہین، پاکیزہ ہین، اور اگر دیدہ ریزی سے انتخاب کیا جائے، تو بہت سے لطیف اور بلند اشعار بھی ان کے دیوان سے نکالے جا سکتے ہین، چند یہ ہین ملاحظہ ہون،

اے دامنِ دشتِ نجد تو ہی پردہ ہے مری برہنگی کا

یونہی لاکھ بار جیتے یونہی لاکھ بار مرتے تری رہگزر مین ظالم جو مرا مزار ہوتا

ساقی نے اوس کو بہر صبوحی کیا پسند چمکا نصیب اب قدحِ آفتاب کا

دونون جہان ملے مجھے تیری تلاش مین لیکن پتہ نہین ترے قصرِ جلال کا

قفس کی تیرے رونق ہوگی کیا ہم دل گرفتون سے چھوڑایا تو نے او صیاد ناحق آشیان ہم سے

مجھے راحت طلب کہدے نہ کوئی خوف ہے اسکا شبِ فرقت مین ورنہ جان دینا کون مشکل ہے

اور بعض غزلین تو اوّل سے آخر تک سوز و گداز کے مضامین سے لبریز ہین مثلاً

سونے دے شورِ حشر کہ ناآرمیدہ ہون مین ساری زندگی کا صعوبت کشیدہ ہون

کیا پوچھتے ہو کس لئے خاطر کشیدہ ہون حرمان چشیدہ، غمزدہ آفت رسیدہ ہون

صیاد صدقہ کر کے مجھے چھوڑ دے کہ مین رنگ بہار گلشن ہستی ندیدہ ہون

اک تم کہ جز نشاط و طرب کام ہی نہین اک مین کہ بہر رنج و الم آفریدہ ہون

کیا زہر مرگ مجھکو بھلا ناگوار ہو مین نامراد تلخی ہجران چشیدہ ہون

یکسان زمانے مین ہے وجود و عدم مرا اک حرف آرزو بزبان نارسیدہ ہون

مجھ بال و پر شکستہ کا یارب ہے تو کفیل از دام جستہ تا بچمن نارسیدہ ہون

الجھائے خاک خار تعلق مجھے کہ مین اس خارزار دہر سے دامن کشیدہ ہون

بحر جہان مین خس کا سہارا نہین جسے وہ تختہ شکستہ بطوفان رسیدہ ہون

سب دیکھتے ہین، حال کا پرسان کوئی نہین گویا کہ مین کسی کی شبیہ کشیدہ ہون

صیاد ہمصفیرون کی حالت بتا تو کچھ مین مدتون سے حال چمن ناشنیدہ ہون

اس قسم کے اور بھی بہت سے پاکیزہ اشعار اس دیوان مین موجود ہین،

یہ دیوان صرف غزلیات کا مجموعہ ہے، قصائد بالکل نہین ہین، اخیر مین چند متفرق نظمین مثلاً مخمس، رباعیان اور قطعات ہین جو خاص لحاظ کے قابل نہین، "ع س"

گلِ رعنا

اردو زبان کی ابتدائی تاریخ اور اوس کی شاعری کا آغاز اور عہد بعہد کے اردو شعراء کے صحیح حالات اور ان کے منتخب اشعار، اردو مین شعرار کا یہ مکمل تذکرہ ہے جس مین آبِ حیات کی غلطیون کا ازالہ کیا گیا ہے، ولی سے لیکر حالی و اکبر تک کے حالات قیمت للعہ، ۴۴۰ صفحے،

"مینیجر"

مطبوعاتِ جدیدہ

نبوت اور سلطنت مؤلفہ مولنا محمد حامد صاحب ناظم دینیات اسلامیہ کالج پشاور تقطیع اوسط، ضخامت ۸۰ صفحے، کاغذ، کتابت، و طباعت بہتر قیمت معلوم نہین، پتہ: مصنف سے ملے گی،

لائق مؤلف کے الفاظ مین اس تالیف کا مقصد یہ ہے "آج کل کے تعلیم یافتہ نوجوان یہ خیال کرتے ہین کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم محض تبلیغ رسالت کے لئے تشریف لائے تھے، اور آپ کو حکومت و سلطنت سے کوئی تعلق نہ تھا مین اس غلط فہمی کو دور کرنا چاہتا ہون" اس مقصد کے لئے انھون نے کلام مجید سے مسلمانون کے معاملات کے بارہ مین آنحضرت صلعم کے اختیارات حکومت کے اجزار اور بعض گذشتہ انبیار علیہم السلام کی حکومت کے واقعات اور حدیث و سیرت کی کتابون سے عہد نبوی کے مذہبی اور سیاسی نظام کو پیش کیا ہے، مؤلف کا مقصد نیک ہے لیکن اسکی تعبیر کا طریقہ صحیح نہین ہے، اس حد تک صحیح ہے کہ اسلامی قوانین کے قیام و نفاذ کے لئے عہد رسالت مین ایک سادہ مذہبی و سیاسی نظام قائم تھا، لیکن اس کو سلطنت سے تعبیر نہین کیا جا سکتا تھا، غلط طریقہ تعبیر سے واقعہ کی صورت بدل گئی ہے، مثلاً "منجملہ انہی قانون ساز جماعتون (صاحب حکومت انبیار) کے ہمارے رسول بھی ہین، (ص۱) یا "مکہ مین آپ مظلومیت کی زندگی بسر کرتے تھے، اور مدینہ مین اگر آپ کی شان حاکمانہ ہو گئی" یا "آپ نے محسوس فرما لیا کہ دینی تبلیغ بغیر نظام حکومت کے ناممکن ہے" یا "آنحضرت صلعم یقیناً بادشاہ تھے، لیکن دنیاوی سلاطین سے آپ کی تاریخ ممتاز تھی" مؤلف کی نیت نیک ہے، لیکن ان الفاظ سے یہ مترشح ہوتا ہے، کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خود واضع قوانین تھے یا مکہ مین جب آپ کے پاس مادی قوت نہ تھی، مظلومیت کی زندگی بسر کرتے رہے، مدینہ آنے کے بعد جب قوت حاصل ہو گئی

توحاکمانہ شان اختیار کرلی" بعض مقامون پر مفہوم کو صحیح الفاظ مین بھی تعبیر کیا گیا ہے، درحقیقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ پاک کے ساتھ دنیاوی بادشاہت وسلطنت اور اس قبیل کی کسی اصطلاح کی نسبت ہی صحیح نہین، ع چہ نسبت خاک را با عالم پاک" واقعہ یہ ہی کہ ابتداے بعثت سے اللہ تعالیٰ نے دو قسم کے انبیا مبعوث فرمائے، ایک وہ جن کے ذمہ صرف تبلیغ کا فرض تھا، اور قانون وشریعت سے انھین کوئی علاقہ نہ تھا، جیسے حضرت عیسٰی حضرت یحیٰی اور بعض دوسرے اسرائیلی انبیا علیہم السلام، دوسرے وہ جنھین منصبِ تبلیغ کے ساتھ شریعت اور اس کے نفاذ کے لئے حکومت بھی عطا ہوئی تھی، جیسے حضرت موسٰی، حضرت سلیمان اور حضرت داؤد علیہم السلام، آنحضرت صلعم اسی دوسری قسم کے انبیا مین تھے، اور چونکہ آپ دین و دنیا دونون کے لئے رحمت بنا کر بھیجے گئے تھے، اور اسلام دنیا مین خدا کا آخری دین تھا، اس لئے اپنے ساتھ دین و دنیا کی جامع شریعت بھی لایا تھا، اس کے قیام و نفاذ کے لئے جس حد تک مادی نظام کی ضرورت تھی، اسی حد تک آنحضرت صلعم نے ایک سادہ نظام قائم فرما دیا تھا، جسے اصطلاحی معنون مین سلطنت سے کسی طرح تعبیر نہین کیا جا سکتا، مصنف کی اس تالیف سے بہت پہلے سیرۃ النبی حصہ دوم مین تاسیسِ حکومتِ الٰہی کے عنوان سے اس نظام کا پورا خاکہ موجود ہے، مصنف نے حسنِ نیت سے یہ کتاب لکھی ہے، اور ایک حیثیت سے مفید بھی ہے، لیکن ان کے خیال کے برعکس اب تعلیم یافتہ نوجوانون کا یہ خیال ہو رہا ہے، کہ انبیا علیہم السلام نے نعوذ باللہ اپنے جاہ و اقتدار اور امارت و حکومت کے لئے مذہب کا ڈھونگ کھڑا کیا تھا، اس لئے اب ضرورت اسکی ہی کہ اس غلط خیال کی تردید کی جائے، اور بتایا جائے کہ انبیا علیہم السلام کا اصل کام تو تبلیغ و تعلیم و تزکیہ ہے، لیکن جب کبھی ان فرائض کی بجا آوری مین دنیا کا کوئی سیاسی نظام راستہ روک کر کھڑا ہو جاتا ہے، تو لا محالہ اس پتھر کو راستہ سے ہٹانا پڑتا ہی، اسلام انسانون مین دین و دنیا کے فوائد و حسنات کو لیکر آیا ہی، اور اسکی شریعت مین جہان عقائد و عبادات کا باب ہی، حدود و تعزیرات و معاملات کے ابواب بھی ہین لیکن اول مقصود بالذات اور ثانی مقصود بالعرض ہی،

محمد رسول اللہ مترجمہ جناب مولوی عبید الرحمٰن صاحب تقطیع چھوٹی ضخامت ۲۰۰ صفحے، کاغذ کتابت و طباعت بہتر قیمت ۸ر، پتہ کتابستان پوسٹ بکس نمبر ۱۲۷۳ بمبئی ۳،

کارلایل نے اپنی مشہور کتاب ہیرو اینڈ ہیرو ورشپ مین آنحضرت صلعم پر بھی ایک باب لکھا ہی مذکورۂ بالا کتاب اسی کا اردو ترجمہ ہی، اسلام اور آنحضرت صلعم کے متعلق کارلایل کے معلومات اور خیالات اگرچہ اغلاط اور نقائص سے یکسر پاک نہین ہین، تاہم اس تاریک دور مین جبکہ یورپ مین تعصب اور غلط بیانیون کا طومار برپا تھا، بڑی حد تک کارلایل نے صحیح واقعات لکھنے کی ہمت کی، درحقیقت اس دور کا کوئی یورپین اسلام اور آنحضرت صلعم کے متعلق مشکل ہی سے صحیح تصور قائم کر سکتا ہی، کچھ تو اس لئے کہ اس زمانہ مین یورپ نہایت اندھے تعصب مین مبتلا تھا، پھر اس کے پاس علم کے اتنے وسیع ذرائع نہ تھے، ان سب سے بڑھکر یہ کہ جدید یورپ کا کوئی فرد نہ صرف اسلام اور آنحضرت صلعم بلکہ کسی الہامی مذہب اور پیغمبر برحق کے تقدس و عظمت کا صحیح ادراک کر ہی نہین سکتا، اس لئے کارلایل نے اپنے خیال کے مطابق سچائی اور تحقیق کے باوجود بعض بڑی فاش غلطیان کی ہین، تاہم یہ کتاب اسلام اور آنحضرت صلعم کے متعلق اس دور کی دوسری کتابون کے مقابلہ مین غنیمت ہی، خیال آتا ہے، کہ اس کتاب کا ترجمہ پہلے بھی ہو چکا ہی،

تنقیدی اشارے از جناب آل احمد صاحب سرور، لکچرار اردو مسلم یونیورسٹی تقطیع چھوٹی ضخامت :- ۱۴۰ صفحے، کاغذ، کتابت، طباعت، بہتر، قیمت :- عہ، پتہ :- نذیر اینڈ سنز مسلم ایجوکیشنل پریس علی گڈہ،

یہ کتاب سرور صاحب کی ان سولہ تقریرون کا مجموعہ ہے، جو اونھون نے اردو ادب کے مختلف ادبی اور تنقیدی پہلوؤن پر "دہلی ریڈیو پر کین" اردو ناول کا ارتقار، اردو نثر مین ظرافت نگاری، اردو مین فسانہ نگاری، اردو شاعری مین خمریات" ناولسٹ اور جرم، انگریزی شاعری، ہندوستانی ادب مین حالی کا درجہ اکبر کی شخصیت اور آرٹ پر حکیمت لکھنوی، اقبال اور اس کا فلسفہ، شوکت علی

خان فانی، رتن ناتھ سرشار، ہندوستانی ادب مین آغا حشر کا درجہ، ہمندر پارے سرسید کے خطوط، مکاتیب مہدی، خذان، ریڈیو کے شرائط کی پابندی کے ساتھ کسی علمی وادبی موضوع پر جامع تقریر بہت مشکل ہے لیکن ان تقریرون مین یہ خوبی ہے، کہ اس مین اختصار کے باوجود بڑی حد تک جامعیت موجود ہے، اور زیر تقریر موضوع پر اس حُسن مذاق اور نکتہ سنجی سے تبصرہ کیا گیا ہے، کہ کوئی بنیادی بات چھوٹنے نہین پائی ہے، اور زبان کی سادگی کے باوجود ادب کا معیار پوری طرح قائم ہے یہ تقریرین لائق مقرر کے اعلیٰ ادبی ذوق اور تنقیدی نگاہ کی آئینہ دار ہین، اور ادبی حیثیت سے اصحاب ذوق کے مطالعہ اور طلبہ کے استفادہ کے لائق ہین،

الترجمۃ العربیۃ مولفہ مولنا مسعود عالم ندوی و مولانا ناظم ندوی ادیب ندوۃ العلماء تقطیع چھوٹی، ضخامت ۱۶۶ صفحے، کاغذ کتابت وطباعت بہتر ۱۲ ار پتہ:- معین الندوہ مندر و پٹنہ، اور محمد ناظم صاحب ندوی مکارم نگر لکھنؤ،

عربی زبان کی تعلیم کی سہولت کے لئے اسکی صرف ونحو پر اردو مین بہت سی کتابین موجود ہین بعض مین ضمنًا عربی انشار و ترجمہ کی تعلیم کا بھی کسی حدتک لحاظ رکھا گیا ہے، لیکن خاص اس مقصد کے لئے غالبًا کوئی کتاب نہین لکھی گئی جو عربی ترجمہ وانشا کی تعلیم مین معاون ہو، مولینا مسعود عالم صاحب ندوی سابق اڈیٹر الضیاء، اور مولانا محمد ناظم صاحب ندوی ادیب ندوۃ العلماء جن کے ادبی دستگاہ سے اہل علم واقف ہین، اور جنھین اس کی تعلیم کا عملی تجربہ بھی ہے، اوس کے اصول وقواعد پر یہ کتاب لکھی ہے، ہر قاعدہ کے ساتھ عربی اور اردو دونون ترجمون کی مشقین بھی دیدی ہین، اسباق مین تدریج کا پورا لحاظ رکھا گیا ہے، یہ کتاب نہ صرف عربی زبان کے طلبہ بلکہ بہتیرے مدرسین کیلئے بھی مفید ہے،

"م"

سیر الصحابہؓ

سیرۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد مسلمانوں کے لئے جن مقدس ہستیوں کے کارنامے اور سوانح
…یات مشعل راہ ہو سکتے ہیں، وہ حضرات صحابۂ کرام ہیں، دار المصنفین نے پندرہ برس کی جانفشانی و کوشش
…ے اس عظیم الشان کام کو انجام دیا، اور اردو میں صحابۂ کرام کے حالات و سوانح اور اخلاق و حسنات
…ی دس ضخیم جلدین احادیث و سیر کے ہزاروں صفحات سے چن کر مرتب کیں اور بحسن و خوبی شائع
…یں، ضرورت ہے کہ حق طلب اور ہدایت و رہنمائی کے جویاں مسلمان ان صحیفوں کو پڑھیں، اور اس
…ع ہدایت کی روشنی میں چلیں، جو آج سے ساڑھے تیرہ سو برس پہلے ان کے سامنے جلائی گئی
…ی، ان جلدوں کی علٰحدہ علٰحدہ قیمتیں حسب ذیل ہیں، جن کا مجموعہ ۲۷ ہوتا ہے، لیکن
…ے سٹ کے خریدار کو صرف ۲۰ میں یہ دس جلدیں کامل نذر کی جاتی ہیں، پیکنگ ذمہ
…المصنفین، محصول ذمہ خریدار،

…لد اوّل	خلفائے راشدینؓ	ے ر	جلد ششم	سیر الصحابہ ششم	۲ر
…لد دوم	مہاجرین اوّل	ے ر	جلد ہفتم	سیر الصحابہ ہفتم	۲ر
…لد سوم	مہاجرین دوم	ے ر	جلد ہشتم	سیر الصحابیات	۲ر
…لد چہارم	سیر الانصار	ے ر	جلد نہم	اسوۂ صحابہ اوّل	۲ر
…لد پنجم	سیر الانصار دوم	۲ر	جلد دہم	اسوۂ صحابہ دوم	۲ر

منیجر دار المصنفین اعظم گڈہ